الرسالہ

Al-Risāla

December 1997 • No. 253 • Rs. 8

سڑک پر کامیاب سفر آپ صرف
اس وقت کر سکتے ہیں جب کہ آپ دوسروں کو بھی
کامیاب سفر کا موقع دے رہے ہوں

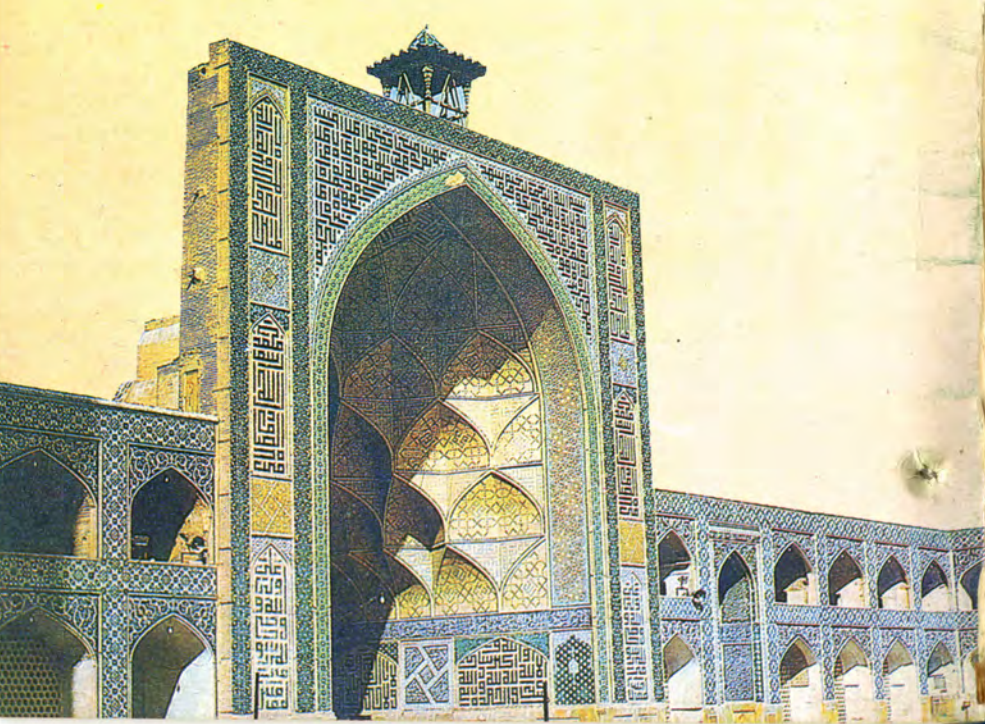

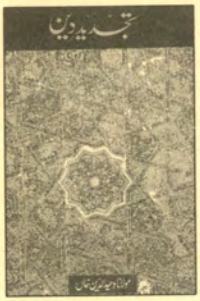

Size 22×14.5cm,
88 pages

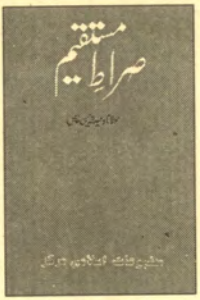

Size 22×14.5cm,
200 pages

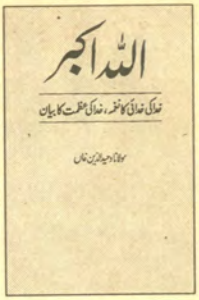

Size 22×14.5cm,
288 pages

Size 22×14.5cm,
116 pages

Size 22×14.5cm,
96 pages

Size 22×14.5cm,
292 pages

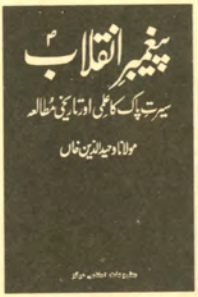

Size 22×14.5cm,
208 pages

Size 22×14.5cm,
264 pages

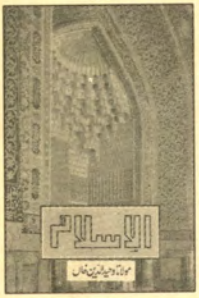

Size 22×14.5cm,
176 pages

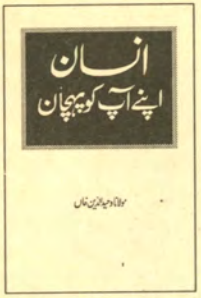

Size 22×14.5cm,
24 pages

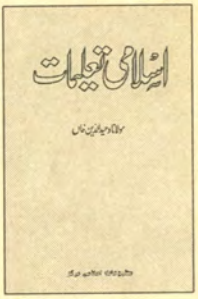

Size 22×14.5cm,
144 pages

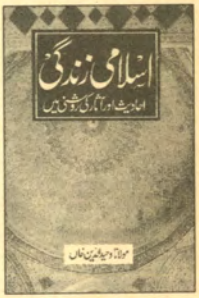

Size 22×14.5cm,
160 pages

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risāla

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market, Near DESU,
New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 8
One year Rs. 90. Two years Rs. 170.
Three years Rs. 250. Five years Rs. 400
Abroad: One year $ 20/£10 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577

DISTRIBUTED IN USA BY
MAKTABA AL-RISALA
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel. 718-2583435

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

دسمبر ۱۹۹۷ ، شمارہ ۲۵۳

قوتِ مُرہبہ ۴
قانونِ فطرت ۵
اتحاد یا بھیڑ ۶
کمزور بھی طاقت ور ۷
دُہرا کردار ۸
تعارف کا ایک مسئلہ ۹
فرق کو جانئے ۱۰
فطری روش ۱۱
حکمتِ معاملہ ۱۲
ناکامی نہیں ۱۳
فطری طریقہ ۱۴
دوسرا چانس ۱۵
رمضان کا روزہ ۱۶
مہاراشٹر کا سفر ۱۸

مصر کی چھپی ہوئی عربی کتابیں

الرسالہ بک سنٹر میں بڑی تعداد میں دینی اور ادبی عربی کتابیں دستیاب ہیں۔ خواہش مند حضرات فہرست حاصل کریں۔

قوّتِ مُرہبہ

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم (الانفال ۶۰)	اور ان کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے تیار رکھو قوت اور پلے ہوئے گھوڑے کہ اس سے تمہاری ہیبت رہے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے لئے اگر کسی کی طرف سے عداوت کا مسئلہ پیدا ہو تو اس وقت اصل کام اعداد ہو گا نہ کہ جہاد (بمعنی قتال) بوقت عداوت اگر حریف طاقتور ہو اور اہل ایمان ان کے مقابلہ میں کمزور ہوں تو ایسی حالت میں حریف سے جنگ چھیڑنا عملی نتیجہ کے اعتبار سے خودکشی کے ہم معنی ہے، اور خودکشی اسلام میں حرام ہے۔ کسی بھی جنگ کا مقصد کوئی مثبت نتیجہ حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ حریف کو یہ موقع دینا کہ وہ مزید جارحیت کر کے اہل ایمان کو تباہ کر ڈالے۔ اور ان کا زور توڑ دے۔ جہاد اسلام میں بامعنی عمل کا نام ہے نہ کہ خودکشی کے اقدام کا۔

مزید یہ کہ اعداد (تیاری) کا مقصد اصلاً قتال نہیں ہے بلکہ اِرہاب ہے۔ یعنی حریف کو اس حد تک خوف زدہ کرنا کہ وہ جارحانہ کارروائی کا ارادہ ترک کر دے، اور اس طرح امن و امان کی حالت بدستور باقی رہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں تیاری کا اصل معیار تیر اور تلوار نہیں ہے بلکہ، قرآن کے الفاظ میں، قوت مرہبہ ہے۔ یعنی وہ قوت جس میں ہیبت کا پہلو پایا جائے۔ موجودہ زمانہ ایک بدلا ہوا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں "ارہاب" کی صفت جنگی ہتھیاروں میں نہیں ہے بلکہ علم اور اقتصادیات میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین ۱۹۹۱ میں ٹوٹ گیا کیوں کہ اس کے پاس اگرچہ جنگی ہتھیاروں کا ڈھیر تھا، مگر اقتصادی اعتبار سے وہ کھوکھلا ہو گیا تھا۔

موجودہ زمانہ میں علم اور اقتصادیات کی طاقت ہی اصل طاقت ہے۔ یہی وہ قوت مرہبہ ہے جو موجودہ مسلمانوں کو بھرپور طور پر حاصل کرنا چاہئے۔

قانون فطرت

اسپین میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس کو عام طور پر صلیبی جنگوں کا انتقام بتایا جاتا ہے۔ صلیبی جنگیں تیرھویں صدی کے آخر میں ختم ہوئی تھیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴) تک ہونے والے اس قسم کے تمام واقعات کی یہی ایک توجیہہ قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

کہاں تک لوگے ہم سے انتقامِ فتح ایوبی دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

مسلم دانشوروں میں یہی ذہن اب تک باقی ہے۔ چنانچہ فلسطین سے لے کر بوسنیا تک کے تمام واقعات کو دوبارہ وہ اسی انتقامی توجیہہ کے خانہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ مگر یہ توجیہہ قرآن اور قانون فطرت دونوں کے خلاف ہے۔

ابن خلدون کا زمانہ عین وہی تھا جب کہ اسپین میں مسلم سلطنت کا زوال ہوا۔ اس نے اپنے مقدمہ میں تاریخ اور فطرت کا یہ قانون بتایا کہ ہر سلطنت یا ہر عروج یافتہ قوم آخر کار زوال کا شکار ہوتی ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون کا باب: ان الدولة لها اعماد طبيعية كما للاشخاص) صفحہ ۱۷۰-۱۷۲

اصل یہ ہے کہ اس دنیا کا نظام چیلنج کے اصول پر بنایا گیا ہے۔ اس کو قرآن میں کہیں تلك الايام نداولها بين الناس کہا گیا ہے اور کہیں اس کو بعضكم لبعض عدو کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں ایک قوم کا ابھرنا دوسری قوم کے لیے چیلنج بنتا ہے۔ اس چیلنج سے مغلوب قوم کی صلاحیتیں جاگتی ہیں۔ وہ اٹھ کر غالب قوم کو زیر کرتی ہے۔ اس طرح غالب اور مغلوب کے درمیان مختلف صورتوں میں مسابقت جاری رہتی ہے۔ یہی مسابقت یا چیلنج تمام انسانی ترقیوں کا واحد زینہ ہے۔ اس عمل کے دوران کبھی ایک قوم گرتی ہے اور کبھی دوسری قوم، تاہم مجموعی اعتبار سے انسانیت کا سفر ترقی کی طرف جاری رہتا ہے۔ مغلوب قوم پیش آمدہ چیلنج کا مقابلہ کر کے دوبارہ غالب آسکتی ہے۔ لیکن فریاد اور احتجاج کا طریقہ اس کو خدا کی دنیا میں کہیں پہنچانے والا نہیں۔

انتقامی توجیہہ صرف نفرت کے جذبات ابھارتی ہے۔ اس کے برعکس فطرت پر مبنی توجیہہ آدمی کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتی ہے کہ وہ پیش آمدہ چیلنج کا مقابلہ کرے اور اس طرح اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کو دوبارہ مزید اضافہ کے ساتھ حاصل کر لے۔

اتحاد یا بھیڑ

شائستہ اکرام اللہ (عمر ۷۵ سال) مسٹر محمد علی جناح کی گہری عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ انھوں نے ان کے تحت کام کیا ہے۔ وہ ۱۹۴۷ سے ۱۹۵۴ تک پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی ممبر رہی ہیں۔ ۱۹۶۴ سے ۱۹۶۷ تک وہ مراکو میں پاکستان کی سفیر تھیں، وغیرہ۔

ریڈرس ڈائجسٹ (مئی ۱۹۹۱) میں ان کا ایک مضمون مسٹر محمد علی جناح کے بارے میں چھپا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے مسٹر جناح سے متعلق مختلف یادداشتیں نقل کی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ابتداءً ہندستان کے مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ نہ تھے۔ مگر مسٹر جناح کی قیادت کا یہ کرشمہ تھا کہ ۴۶-۱۹۴۵ کا الکشن ہوا تو ہندستانی ریاستوں میں ۸۵ فی صد مسلم سیٹوں پر مسلم لیگ کا قبضہ ہو گیا۔

انھوں نے لکھا ہے کہ قائد (مسٹر جناح) یہ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے ایک بھیڑ کو ایک قوم کی صورت دی ہے۔ آج پاکستان کے داخلی جھگڑوں کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دوبارہ بھیڑ کی حالت کی طرف واپس چلے گئے ہیں :

> The Quaid used to say that he had fashioned a nation out of a mob. Today, seeing all our internal squabbles, I sometimes think that we have gone back to being a mob.

لوگ اکثر یہ غلطی کرتے ہیں کہ وہ جلسہ گاہ میں لوگوں کے جمع ہونے کو اتحاد سمجھ لیتے ہیں۔ حالاں کہ موجودہ قسم کے جلسے حقیقۃً بھیڑ کی وقتی یکجائی کے ہم معنیٰ ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ بھیڑ کا ایک متحد قوم بننا جلسہ جلوس سے بالکل علاحدہ چیز ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مثبت سطح پر یکساں سوچ آجائے، ان کے اندر مستحکم کردار پیدا ہو جائے۔ وہ اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسروں کا ساتھ دینے پر راضی ہوں۔ ان کے اندر یہ مزاج پیدا ہو جائے کہ ذاتی مفادات سے اوپر اٹھ کر بلند تر انسانی مقاصد کے لیے جینے لگیں ——— اتحاد وہ ہے جو روزانہ کی حقیقی زندگی میں دکھائی دے نہ کہ وقتی قسم کے جلسہ اور جلوس میں۔

کمزور بھی طاقتور

جارجز بیدات (۱۹۸۳ - ۱۸۹۹) ایک فرانسیسی سیاست داں ہے۔ اس کے عام خیالات سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ تاہم اس کا ایک قول بہت بامعنی ہے۔ اس نے کہا کہ کمزور آدمی کے پاس ایک ہتھیار ہوتا ہے، اور وہ ان لوگوں کی غلطیاں ہیں جو یہ سمجھیں کہ وہ طاقتور ہیں:

The weak have one weapon, the errors of those who think they are strong.
—George Bidault

اس دنیا میں سب سے بڑی کمزوری اپنے آپ کو طاقت ور سمجھ لینا ہے۔ جو آدمی اپنے کو طاقت ور سمجھنے لگے وہ ضرور غلطیاں کرے گا۔ ایسے آدمی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ طاقت کے گھمنڈ میں تدبیر سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اور جو آدمی تدبیر کی طرف سے بے پروا ہو جائے اس کے لیے شکست یقینی ہے۔ کیوں کہ اس دنیا میں کوئی بھی شخص اتنا طاقت ور نہیں کہ اس کو تدبیر کی ضرورت ہی نہ ہو۔

جب بھی کوئی آدمی یہ محسوس کرے کہ اس کا حریف طاقت کے زعم میں آکر اس کو ستا رہا ہے تو آدمی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اب خود اس کا حریف اس کو اپنے خلاف ہتھیار فراہم کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں آدمی کو چاہیے کہ وہ حریف کی سرگرمیوں سے بخوبی واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

آدمی کو اس کا مطالعہ لازمی طور پر اس نتیجہ پر یہاں پہنچائے گا کہ حریف کے اندر فلاں کمزوری پیدا ہو گئی ہے اور وہ دھیرے دھیرے بڑھ رہی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اس کمزوری کو جانے اور اس کو بھرپور طور پر استعمال کرے۔ وہ یقینی طور پر حریف کو زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس دنیا میں کمزور بھی طاقتور ہے، اور طاقتور بھی کمزور۔ خدا نے کسی بھی شخص کو یہ حیثیت نہیں دی کہ وہ مطلق طور پر کمزور ہو جائے یا وہ مطلق طور پر طاقتور بن جائے۔ اس دنیا میں ہر ایک کو یہ موقع حاصل ہے کہ وہ بظاہر ناموافق ماحول میں بھی کامیابی کے مواقع پالے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس نے اپنی خداداد عقل کو درست طور پر استعمال کیا ہو۔

دُہرا کردار

ایک ہفت روزہ مسلم اخبار (۱۲-۱۸ مئی ۱۹۹۱) کا اڈیٹوریل پڑھا۔ اس اڈیٹوریل کا عنوان تھا: مسلم نفرت مہم (Hate-Muslim Campaign)

اس اڈیٹوریل میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے افراد کی ان تقریروں اور تحریروں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈا ہوتا ہے اور مسلمانوں کے اوپر دشنام طرازی کر کے ان کے خلاف نفرت اور عناد پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

یہ کسی ایک مضمون کی بات نہیں۔ مسلمانوں کے تمام اخبارات، تمام رسالے اور تمام کانفرنسوں میں ہر روز اسی قسم کی باتیں کہی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کا لکھنے اور بولنے والا طبقہ مسلسل اسی اعلان میں مشغول ہے۔ اب اس کام پر تقریباً ۵۰ سال سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ مگر نتیجہ کے اعتبار سے دیکھئے تو ان تمام تقریری اور تحریری کوششوں کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔ "مسلم دشمن عناصر" پہلے سے بھی زیادہ شدت اور وسعت کے ساتھ اپنے پروپگنڈے کی مہم جاری رکھنے میں کامیاب نظر آرہے ہیں۔

یہ مسلمانوں کے حق میں "حبط اعمال" کی ایک صورت ہے۔ یعنی کوشش کی سطح پر عمل کرنے کے باوجود ان کے اعمال کا بالکل بے نتیجہ ہو جانا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لکھنے اور بولنے والے لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں جس کو قرآن میں تطفیف کہا گیا ہے۔ یعنی اپنے لیے ایک معیار، اور دوسرے کے لیے اس سے مختلف دوسرا معیار۔ ملک میں ایک "مسلم نفرت مہم" وہ ہے جو ہندو کی طرف سے چلائی جارہی ہے۔ ایسی مہم کے خلاف لکھنے اور بولنے کے لیے تمام مسلمان مجاہد بنے ہوئے ہیں۔ دوسری "مسلم نفرت مہم" وہ ہے جو ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کے خلاف چلائی جاتی ہے۔ یہ دوسری مہم یہاں بہت بڑے پیمانہ پر جاری ہے۔ مگر اس دوسری مہم کی مذمت کرنے والا ساری ملت اسلامیہ میں کوئی نہیں۔ حتی کہ جو لوگ مسلم نفرت مہم کے نام پر ہندوؤں کے خلاف جھنڈا اٹھاتے ہیں، وہ خود کسی نہ کسی مسلمان کو نشانہ بنا کر اس کے خلاف نفرت پھیلانے کی مہم جاری کیے ہوئے ہیں ---- اس قسم کا دہرا کردار ایک جرم ہے۔ اور دہرا کردار کے مجرمانہ فعل پر خدا کے یہاں سزا کی وعید ہے نہ کہ نصرت اور انعام کا وعدہ۔

تعارف کا مسئلہ

ایک مقولہ ہے۔ جیسا سماجی تعارف ویسا سماجی معاملہ۔ یعنی آدمی اپنے ماحول میں جس طرح اپنے آپ کو متعارف کرے گا اسی کے مطابق ماحول میں اس سے معاملہ کیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا پختہ اصول ہے جس میں شاید کوئی استثناء نہیں۔ ایک بار میں دہلی سے حیدر آباد جا رہا تھا۔ دہلی ایر پورٹ پر جب میں سیکورٹی چیک کے لیے اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ دوسرے مسافروں کے بیگ کھول کر دیکھے جا رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایک چھوٹا سا بیگ تھا جس میں صرف ایک جوڑا کپڑا تھا اور قرآن کا ایک نسخہ۔ چوں کہ میرے خیال کے مطابق میرے بیگ میں کوئی چیکنگ والی چیز نہیں تھی میری زبان سے نکلا۔ کیا اس کو کھولنا ہوگا۔ میز کے دوسری طرف پولیس کی وردی میں کھڑے ہوئے آدمی نے کسی قدر درشت لہجہ میں کہا کہ کیوں نہیں (Why not)

میں نے فوراً اپنا بیگ کھول دیا۔ آدمی نے میرے بیگ کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو اس میں اسے کوئی قابلِ اعتراض چیز نظر نہیں آئی۔ آخر میں اس نے اس میں رکھی ہوئی کتاب اٹھائی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن۔ جیسے ہی میری زبان سے قرآن کا لفظ نکلا آدمی کا موڈ بالکل بدل گیا۔ جو آدمی پہلے سختی اور غیریت کے لہجہ میں بول رہا تھا وہ نرمی اور تواضع کے لہجہ میں بولنے لگا۔

یہ فرق کیوں پیش آیا۔ اس کی وجہ سادہ طور پر یہ تھی کہ پہلے میں مذکورہ شخص کی نظر میں صرف صاحب بیگ تھا، مگر بعد کو میں اس کی نظر میں صاحبِ قرآن بن گیا۔ جب تک میں اس کی نظر میں صاحبِ بیگ تھا، وہ مجھ کو عام مسافروں کی نظر سے دیکھ رہا تھا، لیکن جب اس نے مجھ کو صاحبِ قرآن کے روپ میں دریافت کیا تو اس کی نظر میں میری نوعیت بدل گئی اب وہ مجھ کو ایک اور نظر سے دیکھنے لگا۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ماحول آپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرے تو ضروری ہے کہ آپ اس کے مطابق اپنی تصویر بنائیں۔ اپنے ماحول کے اندر آپ اپنے کو جس طرح متعارف کریں گے اسی کے مطابق ماحول بھی آپ کے ساتھ معاملہ کرے گا، نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔

فرق کو جانئے

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن خیر کی باتیں سننے سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ جنت تک پہنچ جائے (صفحہ ۹)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حکمت کی بات مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے۔ پس وہ جہاں اسے پائے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے (والکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن، فحیث وجدھا فھو احق بھا) جامع الاصول فی احادیث الرسول ۹/۸

یہاں حکمت کی بات سے مراد صرف وہ بات نہیں ہے جو قرآن اور حدیث میں ہو بلکہ ہر وہ صحیح بات ہے جو کسی جگہ پائی جائے۔ اس سے مراد دراصل دانش مندی (Wisdom) کی بات ہے۔ اور دانش مندی کی بات کسی بھی شخص کے ذریعہ مل سکتی ہے۔ حتی کہ ایک جاہل اور عام آدمی کے ذریعہ بھی۔ دانش مندی کی بات دراصل فطرت کی بات ہوتی ہے۔ اور اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے دانش مندی کی ہر بات اسلام کی اپنی ہی بات ہے۔ اور مومن کو اسے خود اپنی چیز سمجھ کر لے لینا چاہیے۔

اس کی وضاحت کے لیے یہاں ایک مثال نقل کی جاتی ہے۔ ایک عیسائی عالم نے خدا سے دعا کی تو اس نے اپنی دعا میں یہ الفاظ کہے۔ اے خدا مجھے وہ طاقت دے کہ میں جس چیز کو بدل سکتا ہوں اس کو بدلوں اور وہ تحمل دے کہ میں اس چیز کے ساتھ رہ سکوں جس کو میں بدل نہیں سکتا اور وہ دانش مندی کہ میں فرق کو جانوں :

Oh God give me the strength to change the things which I can, and the serenity to live with things I cannot change, and the wisdom to see the difference.

یہ بات اپنی حقیقت کے اعتبار سے کسی عیسائی یا غیر عیسائی کی بات نہیں ہے بلکہ وہ فطرت کی بات ہے۔ اور اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے اس لیے دانش کی ہر بات خود اسلام کی بات ہے مومن کو چاہیے کہ دانش کی ہر بات کو خود اپنی بات سمجھ کر قبول کر لے۔

فطری روش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مکہ میں ایک اختلافی واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں اس طرح آیا ہے :

اریقت دماء من بطنین من قریش فجمع ابوسفیان کبارھم وقال ھل لکم یامعشر قریش فی الحق اوما ھو افضل منہ۔ فقال القوم وھل من شئ افضل من الحق فقال ابوسفیان نعم انہ العفو فقام القوم وتصالحوا۔

قریش کے دو خاندانوں کے درمیان خون بہانے کا واقعہ ہوا، اس کے بعد ابوسفیان نے ان کے بڑوں کو جمع کیا۔ اور کہا۔ اے قریش کے لوگو! تم کو اپنا حق لینا ہے یا وہ جو اس سے بہتر ہے لوگوں نے کہا کیا حق وصول کرنے سے بھی بہتر کوئی چیز ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہاں وہ معاف کر دینا ہے۔ اس کے بعد لوگ اٹھے اور آپس میں صلح کر لی۔

عرب جاہلیت کا یہ واقعہ دراصل فطرت انسانی کا واقعہ ہے اس وقت عرب کے لوگ اپنی فطرت پر قائم تھے، وہ فطری انسانی اوصاف سے متصف تھے اور جب کوئی انسان یا کوئی گروہ اپنی ابتدائی فطرت پر قائم ہو تو اس کا وہی حال ہوتا ہے۔ جس کی ایک تصویر مذکورہ واقعے میں دکھائی دیتی ہے۔

کسی سماج میں قتل کی قسم کا کوئی بڑا واقعہ پیش آجائے تو فوراً لوگوں کے اندر انتقام کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں مگر زیادتی کا انتقام لینا کوئی اصلاحی کام نہیں۔ یہ ایک برائی کو دو برائی میں تبدیل کرنا ہے۔ اس لیے خیر کی بات یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور ٹوٹے ہوئے انسانی رشتے کو آپس میں جوڑ لیں۔

زیادتی کا انتقام لینا پوری آبادی کو منفی عمل کا کارخانہ بنا دیتا ہے اس کے برعکس جب عفو اور درگزر کا طریقہ اختیار کیا جائے تو بھڑکے ہوئے جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ منفی ماحول دوبارہ مثبت ماحول میں تبدیل ہو جاتا ہے زندگی کا قافلہ جو بظاہر ایک رکاوٹ سے دوچار ہو گیا تھا، وہ دوبارہ اپنے سفر پر رواں دواں ہو جاتا ہے۔

حکمت معاملہ

ایک تعلیم یافتہ مسلمان ایک سرکاری محکمہ میں اچھی سروس میں ہیں۔ ان کے افسر اعلیٰ سے ان کا جھگڑا ہو گیا۔ وہ گھر لوٹے تو ان کے دماغ میں سخت ٹنشن تھا۔ ان کو ڈر تھا کہ مذکورہ افسر ان کی سروس بک خراب کر دے گا اور اس کے نتیجہ میں ان کا پروموشن رک جائے گا۔ اس ٹنشن کی وجہ سے ان کے سر میں اتنا سخت درد ہوا کہ وہ گھر آکر بستر پر لیٹ گئے اور اس کے بعد کوئی کام نہ کر سکے۔

ان سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ آپ نے جو کیا وہ درست نہ تھا۔ میں نے ان کو ایک حدیث سنائی۔ ایک قبیلہ کا سردار مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جاؤ اس کا استقبال کرو۔ اس موقع پر آپ نے ایک اصولی بات یہ فرمائی کہ: انزلوا الناس منازلھم۔ یعنی لوگوں کے ساتھ ان کے رتبہ کے مطابق معاملہ کرو (حیاۃ الصحابہ ۲/۲۰۹)

شریعت کے احکام سب کے سب فطرت پر مبنی ہیں۔ یہ خود فطرت کا تقاضا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کا لحاظ کریں۔ کوئی شخص جب دوسرے شخص سے معاملہ کرے تو وہ اس طرح معاملہ کرے کہ دوسرا شخص اس کو اپنی تحقیر محسوس نہ کرے۔ ہر شخص یہ سمجھے کہ اس کو اس کے مقام کے مطابق مناسب عزت (due respect) دی جا رہی ہے۔ جس سماج میں یہ روایات ہوں اس سماج میں باہمی محبت بڑھتی ہے اور سماجی انتشار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

یہ فطرت کا ایک اصول ہے اور قدیم زمانہ سے مختلف شکلوں میں اس کو دہرایا جاتا رہا ہے۔ اسی کو ایک انگریزی مثل میں اس طرح کہا گیا ہے کہ افسر ہمیشہ حق پر ہوتا ہے:

Boss is always right.

یہ گویا معاملاتی حکمت یا معاملاتی شریعت ہے۔ اس کا لحاظ کرنا ہر ایک کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ جس سماج میں اس کی رعایت نہ کی جائے وہ سماج کبھی اچھا سماج نہیں بن سکتا۔

ناکامی نہیں

پیغمبرانہ نگاہ کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ وہ نہیں کو بھی ہے کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ خدا نے دنیا کو اس ڈھنگ پر بنایا ہے کہ یہاں کوئی چیز آخری طور پر مشکل نہیں۔ بلکہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی شامل ہے۔ زندگی کی یہ حقیقت قرآن میں ان لفظوں میں بتائی گئی ہے کہ پس بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے (الانشراح)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ۸ھ میں مکہ سے طائف جاتے ہوئے پیغمبر اسلام ایک ایسے پہاڑی راستہ سے گزرے جو تنگ اور دشوار گزار تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اس راستہ کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ الضیقہ (مشکل) آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کا نام الیسری (آسان) ہے۔

یہ واقعہ پیغمبرانہ طرز فکر کو بتاتا ہے۔ پیغمبر دنیا کی ہر چیز کو خدا کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مشکل بھی آسانی کے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔ کیوں کہ خدا نے اپنی دنیا کو اسی قانون کے تحت بنایا ہے کہ یہاں ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہمیشہ موجود رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ کو اپنے وطن میں سخت ترین مشکل سے سابقہ پیش آیا۔ اس کے باوجود آپ نے دنیا کی سب سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یہ ایک ایسا مسلّم واقعہ ہے جس سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ رسول کی زندگی میں تمہارے لیے اسوہ ہے (الاحزاب) یہ اسوہ یا نمونہ کسی محدود معنیٰ میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندگی کے ہر معاملے کے بارے میں ہے۔ آپ نے جس طرح نماز اور حج کا طریقہ بتایا اسی طرح آپ نے اپنے عمل سے یہ بھی بتایا کہ مسائل کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ اور مشکل کو آسان کس طرح بنایا جائے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے عمل سے موجودہ دنیا کے بارہ میں اس امکان کی ممتاز ترین مثال قائم کی ہے۔ آپ نے مشکل ترین حالات میں اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی۔ حتی کہ آپ نے اپنے دشمنوں کو اپنا ساتھی بنالیا۔ آپ نے اپنی مخالف صف کے لوگوں کو اپنی صف میں شامل کرلیا۔ آپ کو اپنے ماحول میں انتہائی ناموافق حالات پیش آئے مگر آپ نے اپنی فراست کے تحت ان کو کامل طور پر اپنی موافقت میں تبدیل کرلیا۔

فطری طریقہ

جب بھی قومی تعمیر کا کوئی ایسا منصوبہ سامنے لایا جائے جس میں لمبی مدت کی جدوجہد کے بعد نتیجہ نکلنے والا ہو تو لوگ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اس میں تو بہت وقت لگے گا، اور ہم کو لمبے انتظار کا موقع نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک الٹا تبصرہ ہے۔

گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو دیر طلب منصوبوں سے گھبرا کر فوری تدبیروں کی طرف دوڑنا، منزل پر پہنچنے کی مدت کو اور لمبا کرنا ہے۔ دیر طلب منصوبہ تو بہرحال ایک وقت پر مکمل ہو جاتا ہے۔ مگر مختصر راستوں پر دوڑنا صرف وقت ضائع کرنا ہے۔ کیوں کہ ایسے راستے کبھی اپنے مسافر کو منزل تک نہیں پہنچاتے۔

جو شخص درخت کی بڑی بڑی شاخوں کو گاڑ کر آناً فاناً اپنے سامنے ایک ہرا بھرا باغ دیکھنا چاہتا ہو، اس کو پودے لگا کر باغبانی کا طریقہ بتائیے تو اس کی سمجھ میں اس قسم کی شجر کاری کبھی نہیں آئے گی۔ وہ کہے گا کہ یہ تو بہت لمبا منصوبہ ہے۔ حالاں کہ اگر مستقبل کے لحاظ سے دیکھئے تو خود اسی کا منصوبہ غیر متناہی طور پر لمبا ہے۔ کیوں کہ شاخیں گاڑنے والے کو تو ہزار سال میں بھی باغ دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتا۔ جب کہ پودے لگانے والے کے لیے بہرحال ایک ایسا وقت آتا ہے جبکہ وہ ہرے بھرے باغ کا مالک بن جائے، خواہ یہ وقت ۲۵ برس بعد آئے یا پچاس برس بعد۔

جس طرح باغبانی میں کوئی شارٹ کٹ نہیں، اسی طرح زندگی کی تعمیر میں بھی کوئی شارٹ کٹ نہیں۔ یہ کام بہرحال طویل المدت منصوبہ ہی کے ذریعہ ہوگا۔ خواہ ہم اس کو آج شروع کریں، یا آج کے بہت دنوں بعد اس وقت شروع کریں جب کہ کام کا پہلا قیمتی موقع ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہو۔

فطرت کا یہ طریقہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ وہ خود خدا کا بنایا ہوا ہے۔ جس خدا نے دنیا کو بنایا ہے اسی نے اس کے لیے یہ قانون بھی وضع کیا ہے۔ انسان جس طرح اپنے رہنے کے لیے کوئی اور دنیا پیدا نہیں کر سکتا، اسی طرح اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی اور قانون وضع کر سکے۔

دوسرا چانس

دہلی میں ایک ڈگری کالج ہے جس کو ایک ہندو سنستھا چلاتی ہے۔ اس میں لکچرشپ کی ایک جگہ نکلی۔ جن لوگوں نے درخواست دی ان میں سے ایک مسلمان بھی تھے۔ انٹرویو ہوا تو ایک ہندو امیدوار کو چن لیا گیا۔ مسلم امیدوار ناکام کردے گئے۔

مذکورہ مسلمان سے میری ملاقات ہوئی تو وہ بہت جھنجلائے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس کو تعصب کا معاملہ سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس کے خلاف اخبار میں لکھیں اور مذکورہ کالج کے تعصب کو اکسپوز کریں۔ میں نے انھیں منع کیا۔ میں نے کہا کہ ابھی تو آپ نے صرف ایک چانس کو کھویا ہے۔ زندگی میں ہمیشہ ایک چانس کے بعد دوسرا چانس آتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ پہلے چانس کے کھوئے جانے پر بد دل نہ ہو بلکہ دوسرے چانس کا انتظار کرے۔

ایک سال کے بعد پھر اسی کالج میں ایک لکچرر کی جگہ نکلی۔ اس کا اعلان اخبار میں چھپا تو مذکورہ مسلمان نے دوبارہ اس کے لیے اپنی درخواست بھیج دی۔ اس بار ایسا ہوا کہ لکچرشپ کی اس جگہ کے لیے مذکورہ مسلمان کے علاوہ دو ہندو امیدوار بھی تھے۔ دونوں کو دو طاقتور ہندوؤں کا سپورٹ حاصل تھا۔ یہ ایک نازک مسئلہ تھا۔ کالج کے ذمہ دار دونوں ہندوؤں کو نہیں لے سکتے تھے اور ان میں سے ایک کو لینے کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے ہندو امیدوار کا سپورٹر ناراض ہو جائے۔ اس نزاکت کا حل انھوں نے یہ تلاش کیا کہ دونوں ہندوؤں کو چھوڑ کر مذکورہ مسلمان کو منتخب کر لیا۔ یہ مسلمان ابھی تک اسی کالج میں کام کر رہے ہیں اور اب انھوں نے دلی میں اپنا ذاتی گھر بنا لیا ہے۔

یہی زندگی میں کامیابی کا راز ہے۔ اگر آپ سے پہلا چانس کھو جائے تو آپ ہرگز بد دل نہ ہوں۔ بلکہ سادہ طور پر صرف یہ کریں کہ دوسرے چانس کا انتظار کریں۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو یقینی طور پر دوسرا چانس آپ کے لیے آئے گا اور جو کامیابی آپ کو پہلی کوشش میں نہیں ملی تھی وہ بلاشبہہ دوسری کوشش میں آپ کو مل جائے گی۔

دنیا مواقع سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں ہر ایک موقع کے بعد دوسرا موقع آتا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے تاریک شام کے بعد روشن صبح۔

رمضان کا روزہ

۲۵ جنوری ۱۹۹۷ کو دہلی کے کانسٹی ٹیوشن کلب میں روزہ پر ایک اجتماع تھا۔ اس موقع پر جناب سید حامد صاحب نے کہا کہ ایک بار دہلی میں ایک جلسہ تھا جس میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی موجود تھے۔ اس موقع پر ایک تقریر ڈاکٹر تارا چند کی بھی تھی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ سال کا پورا ایک مہینہ روزہ میں بتانے کا جو طریقہ مسلمانوں میں ہے اس کے بارہ میں مسلمانوں کو نظر ثانی کرنا چاہیے۔ یہ اپنی کارکردگی کو گھٹانے کے ہم معنی ہے۔ یہ طریقہ مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں ایک مستقل رکاوٹ ہے۔

میں نے اپنی تقریر میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایک غیر معقول اعتراض ہے۔ علمی حیثیت سے اس کے اندر کوئی وزن نہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ روزہ کوئی فاقہ کشی (starvation) نہیں ہے۔ روزہ دار ایک مہینہ کے دوران صرف یہ کرتا ہے کہ وہ دن میں نہ کھا کر رات کو کھاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض فرقے ایسے ہیں جو ۲۴ گھنٹہ میں صرف ایک بار کھاتے ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے ہر قسم کی ترقیاں حاصل کی ہیں۔ پھر ایک مہینہ کے لیے دن کے بجائے رات کو کھانا کیوں کر ترقی میں رکاوٹ بن جائے گا۔

روزہ دراصل اپنی غذائی عادتوں (food habits) پر کنٹرول کرنے کا نام ہے۔ اس کو ایک لفظ میں غذائی تنظیم (regulated eating) کہہ سکتے ہیں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ یہ جسمانی صحت کے لیے بہترین طریقہ ہے۔ منظم انداز میں خوراک لینے والے ہمیشہ صحت مند رہتے ہیں اور زیادہ کام کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر منظم خوراک لینے والے لوگ اپنی صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور نتیجۃً اپنی کارکردگی کی مقدار کو بھی گھٹا لیتے ہیں۔

ماہ رمضان کے روزہ کا مطلب شاید مذکورہ قسم کے لوگ یہ لے لیتے ہیں کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک مہینہ تک مسلسل کھانا اور پینا چھوڑ کر فاقہ کی زندگی گزاریں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اسلامی حکم کا مطلب صرف یہ ہے کہ عام حالت میں اگر لوگ دن کو کھاتے ہیں اور رات کو نہیں کھاتے

تو رمضان میں ایک مہینہ کے لیے وہ اس ترتیب کو بدل دیں۔ یعنی دن میں نہ کھا کر رات کے اوقات میں کھائیں۔ روٹین میں اس قسم کی تبدیلی جسمانی اعتبار سے بھی مفید ہے اور روحانی اعتبار سے بھی۔

ماہ رمضان کے روزہ کے بارہ میں یہ اصولی اور نظریاتی بات تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اصولی اور نظریاتی اعتبار سے ماہ رمضان کے روزہ کے بارہ میں مذکورہ قسم کا اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔ اس کے حق میں کوئی واقعی دلیل موجود نہیں۔

مگر یہ صرف اصول اور نظریے کی بات نہیں۔ عملی واقعات بھی اس کو بالکل بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ عملی واقعات سے میری مراد (روزہ داروں) کی تاریخ ہے۔ مسلمان پچھلے چودہ سو سال سے سال میں ایک مہینہ روزہ رکھتے چلے آرہے ہیں۔ مگر تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ اس روزہ نے کسی بھی درجہ میں ان کو کمزور نہیں کیا۔

اسلام کے دور اول میں اصحاب رسولؐ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ یہ سب کے سب روزہ دار تھے، مگر انھوں نے تاریخ کا اہم ترین انقلاب برپا کیا۔ یہ اصحاب رسولؐ روزہ دار قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں عرب قبائل، رومن ایمپائر اور ساسانی ایمپائر سب کے سب غیر روزہ دار لوگ تھے۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان ٹکراؤ پیش آیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ غیر روزہ داروں کے اوپر روزہ دار قوم نے کھلی فتح حاصل کی۔

اس کے بعد روزہ دار مسلمانوں نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، اور وقت کی سب سے بڑی سلطنت قائم کی۔ ایک شاعر نے بجا طور پر کہا ہے کہ :

نہ تھا پلہ کسی ملت کا دنیا میں گراں ہم سے

پھر یہی روزہ دار لوگ تھے جنھوں نے بغداد میں اس وقت کا سب سے بڑا علمی مرکز قائم کیا۔ انھوں نے اسپین میں وہ علمی ترقیاں کیں جو بعد کو یورپ کے سائنسی انقلاب کی بنیاد بنی۔

حقیقت یہ ہے کہ روزہ آدمی کو کمزور نہیں کرتا۔ روزہ آدمی کو ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے طاقت ور بناتا ہے۔ نظریاتی مطالعہ بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے اور تاریخ کا عملی مطالعہ بھی۔

مہاراشٹر کا سفر

اکتوبر ۱۹۹۴ میں مہاراشٹر کا سفر ہوا۔ بھارتیہ ودیا بھون کی دعوت پر پہلے بمبئی میں ان کے پروگرام میں شرکت کی۔ اس کے بعد وہاں سے پونہ گیا۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۹۴ کی شام کو دہلی سے روانگی ہوئی۔ ۶ اکتوبر کی شام کو دوبارہ دہلی واپس آیا۔ اس سفر کی مختصر روداد یہاں درج کی جاتی ہے۔

دہلی سے بمبئی کے لیے جہاز کا وقت ساڑھے پانچ بجے شام تھا۔ ایرپورٹ پر انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ عملہ کے ایک باوردی آدمی نے نرمی کے ساتھ سوالیہ انداز میں کہا: حیدرآباد؟ میں نے کہا کہ نہیں، بمبئی۔ یہ ایرپورٹ پر ایک نیا تجربہ تھا۔ جب تک انڈین ایرلائنز کی اجارہ داری تھی، اس کے عملہ کے لوگ خوش اخلاقی کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی کمپنی کے جہاز کے سوا کسی اور جہاز کا انتخاب مسافر کے لیے نہیں ہے۔ اب جب کہ میدان میں بہت سی پرائیویٹ کمپنیاں آگئی ہیں۔ تو کسی "خوش اخلاقی ہفتہ" کے بغیر ایرپورٹ پر خوش اخلاقی آگئی ہے۔

زندگی کا فطری نظام مسابقت پر قائم ہے۔ آزادی کے بعد سوشلزم نے اس فطری ماحول کو یہاں ختم کر رکھا تھا۔ اب ۴۵ سال کھو کر ہمارے لیڈروں کو عقل آگئی ہے اور وہ قوم کی گاڑی کو صحیح رخ پر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگرچہ ۴۵ سال میں بگاڑ اتنا زیادہ بڑھ چکا ہے کہ بظاہر اس صدی کے خاتمہ تک کسی حقیقی اصلاح کی امید نہیں۔

ایرپورٹ پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے یا چلتے ہوئے نظر آئے۔ کوئی اچھی تندرستی کی مثال تھا۔ کوئی خوش پوشی کا نمونہ تھا۔ کوئی دولت مندی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ کسی کے اردگرد اقتدار کے اسباب نظر آتے تھے۔ میں دل فگاری کے جذبات کے ساتھ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک آہ کے ساتھ میری زبان سے نکلا: لوگ نعمتوں سے سرشار ہیں مگر کوئی نہیں جس کے چہرہ پر منعم کے شکر کی جھلک دکھائی دیتی ہو۔

دہلی سے بمبئی کے لیے انڈین ایرلائنز کی فلائٹ ۵۰۴ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ جہاز اپنے مقرر وقت پر روانہ ہوا۔ راستہ میں انڈین ایرلائنز کا فلائٹ میگزین سواگت (ستمبر ۱۹۹۴) دیکھا۔ اس

میں مضامین کم اور تصویریں زیادہ تھیں۔ ایک مضمون ٹریننگ اینڈ ڈولپمنٹ کے عنوان سے تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ سرمایہ اور مشین کے علاوہ کسی بھی آرگنائزیشن کی کامیابی اس کے افراد کار کی کوالیٹی پر بھی منحصر ہے :

It is an accepted fact that, besides money materials and machines, the success of any organisation also depends upon the quality of its human resources. (p. 63)

مگر میں کہوں گا کہ یہ "بھی" کا معاملہ نہیں ہے بلکہ "ہی" کا معاملہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ بزنس ہو یا اور کوئی کام، ہر میدان میں کامیابی کے لیے اصل اہم عنصر لائق انسان ہے۔ لائق انسان کی اہمیت حقیقی ہے اور بقیہ چیزوں کی اہمیت اضافی۔

جہاز کے اندر مطالعہ کے لیے کئی اخبارات موجود تھے۔ دی آبزرور (۳۰ ستمبر) کے صفحہ اول پر ایک رپورٹ ہندستانی ریاستوں کے بارہ میں تھی۔ اس سلسلہ میں بتایا گیا تھا کہ ۱۸۳۹ء میں جب کہ برٹش کمپنی آف انڈیا کا دور تھا۔ ایک انگریز مسٹر بیرن (P. Barron) نے پہلی بار نینی تال کی جھیل کو دریافت کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ ایک یوروپین کالونی کے لیے بہترین جگہ ہے مسٹر بیرن خوشی سے جھیل کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کا سفید فام جسم جب مقامی لوگوں نے پانی کے اندر سے نکلتے ہوئے دیکھا تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ وشنو بھگوان ہیں جو پانی کے اندر سے پرکٹ ہو گئے ہیں۔ مگر اس کے رپورٹر مسٹر کمار یش چکرورتی کے الفاظ میں، اتر کھنڈ کے لوگوں کے لیے آج جس وشنو بھگوان کی ضرورت ہے وہ صنعتی سرمایہ کاری ہے :

The Vishnoo which the people of Uttarakhand require in the 1990s is large-scale industrial investment.

گویا کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ وشنو دور قدیم کا دیوتا تھا۔ اب دور جدید میں ہم کو مشینی دیوتا کی ضرورت ہے

شام کو آٹھ بجے سے کچھ پہلے جہاز بمبئی میں اتر گیا۔ باہر آیا تو ایر پورٹ پر ایک طرف بھارتیہ ودیا بھون کے نمائندے موجود تھے۔ دوسری طرف بمبئی کے ساتھی بھی آئے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ میں کس کے ہمراہ جاؤں اور کہاں قیام کروں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو ترجیح دی۔ یہی میرا عام اصول ہے۔ مثلاً ۱-۲ اکتوبر کے لیے میرے پاس تین دعوت نامے آئے

ہوئے تھے۔ ایک، نیو انڈیا موومنٹ کی آل انڈیا کانفرنس کے لیے جو پلانی (راجستھان) میں ہو رہی تھی۔ دوسرا، چنتک منڈل کا آل انڈیا سیمنار جو جواہر لال نہرو یونی ورسٹی (نئی دہلی) میں منعقد ہو رہا ہے۔ تیسرا، بھارتیہ ودیا بھون کا پروگرام سداچار بھارتی۔ یہ تینوں ایک ہی تاریخ میں تھے۔ میں نے اول الذکر دو کو چھوڑ دیا اور بمبئی کے دعوت نامہ کو اختیار کر لیا۔ اور اس کا خاص سبب یہی تھا کہ اس میں بمبئی اور پونہ کے احباب سے ملاقات کی صورت پیدا ہو رہی تھی۔

ایر پورٹ سے روانہ ہو کر پہلے ہمارا قافلہ جناب اقبال احمد صاحب (باندرہ ایسٹ) کے مکان پر پہنچا۔ یہاں کچھ دیر عام مسائل پر گفتگو ہوئی۔

اس کے بعد جناب ہارون شیخ، جناب فاروق فیصل، جناب ایم، اے صدیقی، وغیرہ کے ساتھ روانہ ہو کر جسٹس ایم ایم قاضی کی رہائش گاہ پر پہنچا جہاں مجھ کو قیام کرنا تھا۔ جسٹس قاضی سے تقریباً ۱۲ بجے تک گفتگو ہوتی رہی۔ انھوں نے بتایا کہ کل انھیں ایک اجتماع میں تقریر کرنا ہے۔ یہ انڈو عرب سوسائٹی کے تحت حج ہاؤس میں ہو رہا ہے۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات عرب پر اور سارے عالم پر :

Prophet Muhammad—His influence on the Arab society and on the whole universe.

جسٹس قاضی اپنی قانونی اور عدالتی مصروفیت کے باوجود اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک تبصرہ میں کہا : میں نے اکثر مسلم رائٹرس کو پڑھا ہے مگر آپ کے یہاں ریلیونٹ اور اریلیونٹ کا جو اکوریٹ سنس پایا جاتا ہے وہ کسی اور کے یہاں مجھ کو نہیں ملا۔

جسٹس ایم ایم قاضی ایک ماہر قانون ہیں۔ اس لیے وہ ریلیونٹ اور اریلیونٹ کا فرق بخوبی طور پر جانتے ہیں۔ عام مسلم اہل قلم کا حال تو یہ ہے کہ انھوں نے خطابت اور انشا پردازی کی روایات میں پرورش پائی ہے۔ شعر و ادب کے ماحول میں ان کی فکری تشکیل ہوئی ہے، اس لیے وہ دونوں کا فرق جانتے بھی نہیں، کجا کہ اس فرق کو نبھاتے ہوئے وہ کوئی جاندار لٹریچر تیار کر سکیں۔

جسٹس ایم ایم قاضی مہاراشٹر ایڈمنسٹریٹیو ٹریبونل کے چیرمین ہیں۔ ان کے موجودہ وائس چیرمین مسٹر رام مورتی ہیں جو مہاراشٹر حکومت کے سابق چیف سکریٹری رہے ہیں۔ مسٹر رام مورتی

جولائی ۱۹۹۴ میں جسٹس قاضی کے آفس میں آئے۔ ایک ہفتہ ان کے ساتھ کام کرنے کے بعد وہ جسٹس قاضی سے اتنا متاثر ہوئے کہ انھوں نے ان کے بارہ میں کہا کہ میرا تعلیمی عمل اب شروع ہوا ہے :

My process of learning has commenced now.

قاضی صاحب کو اشعار کثرت سے یاد ہیں۔ ہر بات کے لیے فوری طور پر ایک موزوں شعر ان کے ذہن میں آجاتا ہے۔ ایک گفتگو کے دوران انھوں نے جوش کا یہ شعر پڑھا :

دشمن کی سمت ایک ذرا مسکرا کے دیکھ　　اس حربۂ لطیف کو بھی آزما کے دیکھ

یہ سفر ایسے حالات میں ہوا جب کہ پلیگ کی وبا پھیلنے کی خبریں پورے ملک میں گونج رہی تھیں۔ لیکن ہر جگہ میں نے دیکھا کہ لوگ صرف حکومت اور انتظامیہ کو برا کہہ رہے ہیں۔ آج کے ٹائمس آف انڈیا (۳۰ ستمبر) میں بتایا گیا تھا کہ دہلی کا شہر ہر روز چھ ہزار ٹن گاربیج (کوڑا) پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح بمبئی میں ہر روز پانچ ہزار ٹن گاربیج پیدا ہوتا ہے۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا تھا کہ شہری انتظامیہ (civic agencies) اگرچہ اپنی آمدنی کا ۳۵ فی صد حصہ صرف صفائی پر خرچ کرتی ہیں۔ مگر عملاً صرف ۵۰ فی صد کوڑا اٹھایا جاتا ہے۔ باقی یوں ہی آبادیوں میں پڑا رہ جاتا ہے۔

کامرس منسٹر مسٹر پرتاب مکرجی نے بتایا کہ پلیگ کی وجہ سے اکتوبر ۱۹۹۴ کے مہینہ میں انڈیا کو ایکسپورٹ کی مد میں جو نقصان ہوا، اس کی مقدار ۶۰۰ ملین ڈالر ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ بمبئی میں پانچ کرور چوہے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے، پلیگ چوہوں کے ذریعہ پھیلتا ہے۔ کیوں کہ اس کے جراثیم ہمیشہ چوہوں کے جسم میں پرورش پاتے ہیں۔ حکومت ایک کمپنی کے ذریعہ پچاس ٹن سائنوگیس (cyno-gas) درآمد کر رہی ہے تاکہ ان چوہوں کو مارا جاسکے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق، اس وقت بمبئی میں چوہے مارنے کی مہم چلائی جارہی ہے۔ مگر عوام کی غیر سرگرم شرکت کی بنا پر روزانہ صرف ایک ہزار چوہے مارے جارہے ہیں۔ کیونکہ برادرانِ وطن کے عقیدہ کے مطابق، چوہا گنیش دیوتا کی سواری ہے اور اس بنا پر وہ ایک قابل احترام جانور سمجھا جاتا ہے۔

ہندی روزنامہ آنند (۴ اکتوبر) کے پہلے صفحہ کی خبروں میں سے ایک خبر کی سرخی یہ تھی : سورت میں پلیگ کی وجہ سے ہر روز ۵۰ کرور روپیہ کا نقصان۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ ۲۲ ستمبر ۱۹۹۴ سے یہ پلیگ

شروع ہوا۔ اس کے بعد بازار کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا۔ حالات کو معمول پر لانے میں مزید ایک مہینہ لگے گا۔ اس وقت تک نقصان کی مقدار سات ہزار کرور روپیہ تک پہنچ جائے گی۔

میں نے سوچا کہ سورت کا تاجر اگر صرف ایک دن کی رقم (۱۵۰ کرور روپیہ) شہر کی صفائی میں دیتا تو وہ سات ہزار کرور روپیہ کے نقصان سے بچ جاتا۔ مگر انسانوں میں بہت کم ایسے ہیں جو اس ہوشیاری کا ثبوت دے سکیں۔

بمبئی کے روزنامہ انقلاب (یکم اکتوبر) میں ایک خبر اس عنوان کے تحت تھی "جلوس دفع طاعون"۔ اس عنوان کے تحت بتایا گیا تھا کہ آج گیارہ بجے شب بھیونڈی میں جامع مسجد کوثر گیٹ سے اذان اور دعا اور تسبیح اور تہلیل کے ورد کے ساتھ جلوس نکالا جائے گا۔ یہ جلوس بھیونڈی کے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا حافظ جی بابا کی درگاہ پر ختم ہوگا۔ علمار کرام اس جلوس میں شریک رہیں گے۔

اسلام میں دفع طاعون کے لیے جلوس نہیں ہے بلکہ دعا ہے۔ جلوس کی سیاست کی یہ آخری حد ہے کہ دعا کی چیز کو بھی جلوس کی چیز بنا دیا جائے۔

انگریزی روزنامہ دی ایشین ایج (یکم اکتوبر) میں ایک روسی اکسپرٹ مسٹر اسٹیفن سستانووچ (Stephen Sestanovich) کا تجربہ چھپا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ امریکہ اور روس جو ۱۹۱۷ء کے بعد سے ٹکراؤ کے راستہ پر چل رہے تھے، اس کو بے فائدہ پاکر اب مفاہمت کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ اس کا عنوان تھا ـــــ امریکہ اور روس اس پر اتفاق کر رہے ہیں کہ ان کے درمیان اختلاف ہے :

America and Russia agree to disagree

موجودہ زمانہ میں جنگ اتنی بے فائدہ ہو چکی ہے کہ "سپر پاور" قومیں بھی آپس میں مصالحت کر رہی ہیں۔ مگر اسی دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے پاس کوئی پاور نہیں۔ اس کے باوجود وہ ساری دنیا کے خلاف جنگ چھیڑنے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔

یکم اکتوبر کی شام کو جناب ہارون شیخ صاحب اپنے ایک دوست سے ملانے کے لیے لے گئے۔ ان کا نام بھی ہارون شیخ ہے۔ وہ امپورٹ اکسپورٹ کا بزنس کرتے ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک بڑا کاروبار کر رہے ہیں۔ مگر وہ بینک سے سودی قرض نہیں لیتے۔ ان سے میں نے سوال

کیا کہ کیا کوئی بڑا کاروبار بینک سے قرض لیے بغیر کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یقینی طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ شیئر فروختگی کی بنیاد پر اپنا کاروبار قائم کریں۔ لوگوں کے پاس روپیہ ہے اور وہ اس کو کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سود کی بنیاد پر شرکت سے زیادہ مفید نفع کی بنیاد پر شرکت کرنا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کردیں تو آپ بڑی سے بڑی رقم ان سے حاصل کرسکتے ہیں۔

ہارون صاحب کے مکان سے متصل اسی بلڈنگ میں جناب اقبال مسعود صاحب کا مکان تھا۔ یہاں آج "میڈیا واچ" کا ہفتہ وار اجتماع تھا۔ میں نے اس میں بھی شرکت کی۔ ہندستان کے مسلم مسائل پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسائل بھی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ بے مسئلہ زندگی اس دنیا میں ممکن نہیں۔ آپ کو ہر ملک میں اور ہر سماج میں مسائل ہی کے ساتھ جینا ہے۔ کرنے کا کام یہ نہیں ہے کہ آپ مسائل کے خلاف شور وغل کریں۔ اصل کام یہ ہے کہ مسائل کے معاملہ میں اپنی تدبیر کا تعین کیا جائے۔

اقبال مسعود صاحب آئی اے ایس سے ریٹائر ہونے کے بعد اب جرنلزم کے میدان میں کام کررہے ہیں۔ انھوں نے اپنے ۳۰ سالہ عوامی تجربہ کی روشنی میں کہا کہ ہندوؤں کو خوش کرنا دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ آسان ہے :

The easiest people to please in the world are Hindus.

دوسری بات انھوں نے یہ کہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک مستقل کلچرل فرق یہ ہے کہ مسلمان جب ایک رائے قائم کرلے تو اس کو بدلنا سخت مشکل ہے، جب کہ ہندو زیادہ آسانی سے اپنی رائے بدل لیتا ہے :

A permanent cultural difference between Hindus and Muslims is that once a Muslim forms an opinion, it is difficult to change it, whereas a Hindu is more willing to change his opinion about a person.

یہ بے حد اہم بات ہے۔ مگر اس کو صحیح طور پر سمجھنا صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ ہندوؤں سے رقابت کا تعلق ختم کردیا جائے اور اس کے بجائے ان کے ساتھ حقیقی معنوں میں برادرانہ تعلق قائم کیا جائے۔

بمبئی کے ماہنامہ البلاغ (اپریل ۱۹۹۵) میں مسٹر حسن کمال کا ایک مضمون دیکھا جس کا عنوان تھا: مسلم قیادت کا مسئلہ۔ اس کا کچھ حصہ یہ ہے :

"برسوں پہلے اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ ہیم وتی نندن بہوگنا نے ایک بات چیت کے دوران ہندستانی مسلمانوں کے حال زار پر تبصرہ کرتے وقت کہا تھا کہ ہر ہندستانی مسلمان اپنی جگہ ایک بڑا لیڈر ہے، بس باقی لوگ اس کی لیڈری تسلیم نہیں کرتے۔ ان مسلمانوں کی حالت مرتبان میں بند کیکڑوں کی طرح ہے۔ اگر ایک کیکڑا کسی طرح جدو جہد کر کے مرتبان سے باہر نکلنے لگتا ہے تو بقیہ کیکڑے اس کو پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیتے ہیں۔ ۔ ۔ کچھ دنوں پہلے بمبئی کے ایک اخبار کے دفتر میں اتفاقیہ طور پر ہماری ملاقات چند سربرآوردہ مسلمانوں سے ہوگئی۔ باتوں باتوں میں ہم نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے خیال میں مسلمانوں کو کچھ عرصہ کے لیے سیاست میں پچھلی صف (بیک بنچ) اختیار کر لینی چاہیے۔ ایک مسلمان عالم یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوگئے۔ انھوں نے ہم پر احساس کمتری اور احساس خوف پھیلانے کا الزام لگایا (صفحہ ۲۳)

یکم اکتوبر کی شام کو بھارتیہ ودیا بھون کے ہال میں اجتماع تھا۔ وسیع ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ یہ اجتماع مہاتما گاندھی کے ۱۲۵ ویں جنم دن پر کیا گیا تھا، پہلے ایک ڈرامہ کیا گیا۔ اس میں ایک انگریز جج نے مہاتما گاندھی کے خلاف ایک مقدمہ کی سماعت کی۔ اس کے بعد اس نے ان کے لیے چھ سال کی قید کا حکم سنایا۔ "مہاتما گاندھی" نے اعلان کیا کہ میں اس فیصلہ کو قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہر طرف گاندھی جی کی جے، گاندھی جی کی جے کے نعرے بلند ہونے لگے۔ ۱۹۲۲ میں احمد آباد میں گاندھی جی کے خلاف برٹش عدالت میں حکومت سے بغاوت (sedition) کا یہ مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اس کی سماعت ایک انگریز جج بروم فیلڈ (R.S. Broomfield) نے کی تھی۔ اس ڈرامہ میں اسی تاریخی واقعہ کو دہرایا گیا۔

برٹش جج اپنا فیصلہ سنا چکا تو مہاتما گاندھی نے کہا ——— ہم کو جیلوں میں اس طرح داخل ہونا چاہیے جس طرح کوئی دولہا اپنی دلہن کے کمرہ میں داخل ہوتا ہے :

We must enter them as a bridegroom enters the bride's chamber. (p 204)

برٹش مجسٹریٹ مہاتما گاندھی کو مجرم قرار دے کر انھیں جیل میں بند کرنے کا فیصلہ کر رہا تھا۔ مگر تاریخ، اس کے برعکس، گاندھی کا نام ہیرو کی حیثیت سے اپنے صفحات میں درج کر رہی تھی۔

کانفرنس میں مختلف لوگوں نے تقریریں کیں ——— سی سبرامنیم، آر وینکٹارمن، این اے پالکھی والا، ڈاکٹر سوشیلا نائر، راج موہن گاندھی، سوامی تمیانندا جی، سائمن کارڈی نال پیمنٹ، ایم وی کامتھ۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مہاتما گاندھی کے مشن کے دو فیز تھے۔ پہلا فیز تھا پولیٹکل فریڈم کا حصول۔ یہ ۱۹۴۷ میں پورا ہوگیا۔ دوسرا فیز وہ تھا جس کو سوشل فریڈم کہا جاسکتا ہے۔ اس کا پورا ہونا باقی ہے۔ اس دوسرے فیز کو پورا کرنے کے لیے بھی اسی عزم کی ضرورت ہے جو پہلے کام میں مہاتما گاندھی نے دکھایا تھا۔

میں نے تقریر میں ایک کتاب کا حوالہ دیا۔ یہ ایک برٹش جرنلسٹ ولیم شرر کی کتاب ہے جس کا نام ہے ——— تھرڈ ریش کا عروج و زوال :

William Shirer, The Rise and Fall of the Third Reich

مصنف نے ۱۹۴۷ سے پہلے کے زمانہ میں مہاتما گاندھی سے ملاقات کی تھی۔ مہاتما گاندھی نے ان کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میرے دوست، یاد رکھو کہ میں اپنی موت سے پہلے انڈیا کو آزاد دیکھ لوں گا :

I shall see India free before I die.

میں نے کہا کہ مہاتما گاندھی نے ایک عزم کیا تو وہ عزم تاریخ نے پورا کر دیا۔ آج ضرورت ہے کہ ہم لوگ دوبارہ ایک نیا عزم کریں۔ یہ اُس بات کا عزم ہے جس کی آج ہمارے ملک کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یہ امن کا قیام ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو دوبارہ یہ کہنا چاہیے کہ میرے بھائی، یاد رکھو کہ میں اپنی موت سے پہلے انڈیا کو ایک پرامن ملک دیکھ لوں گا :

I shall see India a land of peace before I die.

ہم میں سے ہر شخص اگر اس کو اپنا ماٹو بنالے تو ضرور انڈیا ہماری زندگی ہی میں ایک ایسا ملک بن جائے گا جہاں ہر طرف امن اور ترقی کے مناظر دکھائی دینے لگیں۔

یہ کوئی سادہ بات نہیں ہے بلکہ وہ ایک سخت ذمہ داری کی بات ہے۔ انڈیا کو آزاد دیکھنے

کے لیے لاکھوں لوگوں کو قربانی کی حد تک جاکر محنت کرنی پڑی۔ اب اگر ہم اپنے ملک کو پرامن ملک دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بھی دوبارہ ہمیں لمبی مدت تک محنت کرنی پڑے گی۔ سنجیدہ کوشش کے بغیر نہ پہلا مقصد حاصل ہوا اور نہ اس کے بغیر دوسرا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ کسی ملک میں پرامن سماج کب بنتا ہے۔ یہ اس وقت بنتا ہے جبکہ سماج کے افراد ڈسپلن کے تحت زندگی گزارنے پر راضی ہوجائیں۔ قانون کی پابندی کرنا، دوسروں کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرنا، اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں پر نظر رکھنا، دوسروں کی شکایت کرنے کے بجائے دوسروں کی ناپسندیدہ باتوں کو نظر انداز کرنا، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے مجموعہ کا نام ڈسپلن ہے۔ جس سماج کے افراد اس طرح ڈسپلن کے ساتھ زندگی گزارنے لگیں تو اس کے بعد اس کا جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسی کا نام پرامن سماج ہے۔

اس مقصد کے لیے ہمیں یہ کرنا ہے کہ لوگوں کو ایجوکیٹ کریں۔ باشعور افراد ہی ڈسپلن کے ساتھ رہنے کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ لوگوں کو باشعور بنانے کا یہ کام ہر سطح پر ہونا چاہیے۔ آپس کی ملاقاتوں میں، اسکول اور کالج میں، اخبار اور میڈیا میں، غرض ہر جگہ اور ہر سطح پر یہ مہم چلائی جائے اور لمبے عرصہ تک چلائی جاتی رہے۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے ملک میں پرامن سماج کو دیکھ سکیں۔

امن کی اہمیت کسی ایک اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ہر اعتبار سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امن کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بغیر خود آزادی ہی بے معنی ہوجاتی ہے۔ امن کے بغیر ترقی کا کوئی بھی کام نہیں کیا جاسکتا، امن نہیں تو ترقی بھی نہیں، امن نہیں تو ملک کی تعمیر بھی نہیں۔

بہترین منصوبہ بندی، بہترین تعلیمی ادارے، بہترین اقتصادی نظام، بہترین قانون اور دستور سب کچھ اس وقت تک بے معنی ہے جب تک ملک میں امن نہ ہو۔ بے امنی کی حالت، تعمیر و ترقی کے ہر نقشہ کو بے معنی بنا دیتی ہے۔ سنگاپور سے لے کر جاپان تک جن ملکوں نے موجودہ زمانہ میں ترقی کی ہے وہ اس لیے کی ہے کہ انھوں نے اپنے ملک میں امن و سلامتی کا ماحول قائم کرلیا۔

ڈاکٹر سوشیلا نائر نے اپنی تقریر میں کہا کہ دیش ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس سے اتفاق ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک میں نئی جاگ پیدا ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو استعمال کرکے نئے ہندستان کی تعمیر کی جائے۔

بھارتیہ ودیا بھون کی طرف سے جلسہ میں بڑے سائز کا ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا۔ اس میں باکس کے اندر ایک عبارت وہ تھی جس کو اگلے صفحہ پر نقل کیا جارہا ہے۔ اس میں

اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک واقعہ (حضرت علیؓ کے نام سے) شائع کیا گیا تھا۔ خلیفہ بیت المال کے چراغ کی روشنی میں کچھ سرکاری کام کر رہے تھے۔ اس درمیان میں ایک شخص ذاتی ملاقات کے لیے آیا۔ انھوں نے سرکاری چراغ کو بجھا کر اپنا ذاتی چراغ جلالیا۔

مذکورہ پمفلٹ میں بتایا گیا تھا کہ یہ قابل تعریف واقعہ پربدھا بھارت (Prabuddha Bharata) کے شمارہ اگست ۱۹۹۴ میں چھپا تھا۔ اس کو خاص طور پر سوامی رنگا ناتھنندا نے حیدر آباد سے بھیجا تھا تاکہ اسے شائع کیا جائے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر اسے بھارتیہ ودیا بھون کے تعارف نامہ میں شامل کر کے اسے لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔

بھارتیہ ودیا بھون کا قیام ۱۹۳۸ میں مہاتما گاندھی کے مشورہ پر عمل میں آیا۔ اس کے فاؤنڈر مسٹر کے ایم منشی تھے۔ اس کا مقصد ملک میں اخلاقی کلچر کو رواج دینا تھا۔

جلسہ کے آخر میں تمام حاضرین سے ایک عہد لیا گیا۔ اس کا مضمون انگریزی اور ہندی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اگلے صفحہ پر اس عہد کا مضمون دیکھا جا سکتا ہے۔

ہارون شیخ صاحب بمبئی کے ایک تجارتی ادارہ میں ڈائرکٹر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی تعلیم ایک انگریزی اسکول میں ہوئی۔ اس وقت وہ اسلام کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور نہ وہ اسلام کے بارہ میں کچھ سوچتے تھے۔ مگر اسکول میں کچھ غیر مسلم لڑکوں نے انھیں "ٹانٹ کرنا" شروع کر دیا۔

Practical Vedanta: Uprighteousness

It so happened that when Khalifa Hazarat Ali was scrutinizing some official papers of his government, a gentleman came to meet him. Finding that the visitor had some personal matter to discuss, Hazarat immediately put out the lamp he was using and, in its stead, lit another one. This filled the visitor with curiosity, but he somehow suppressed his feelings. Finishing his discussion, Hazarat once again put out his second lamp and lit the first one! This was too much for the visitor to bear any longer, and so he asked the Khalifa the reason for his acting so strangely. Hazarat replied: 'Sir, when you came in I was attending to some official work using the lamp supplied by the government. But should we spend government money for our personal matters? So I used my own lamp while talking with you!'

This anecdote relating to a commendable instance of probity in public life which appeared in the August, 1994 issue of "Prabuddha Bharata" was specially sent by Swami Ranganathananda from Hyderabad through a messenger and it was read out at the meeting as desired by Swamiji. (Sadachar Bharati)

SADACHAR BHARATI

For Promotion of
Values & Purity in Public Life and Rural Regeneration
[in commemoration of the historic occasion of the 125th Birth Anniversary of Mahatma Gandhi]

I whole-heartedly welcome the starting of **SADACHAR BHARATI** to promote Values and Purity in Public Life and Rural Regeneration in commemoration of the 125th Birth Anniversary of Mahatma Gandhi, Father of the Nation.

For my own well-being, for the well-being of India and for the well-being of the world I hereby enrol myself as a **SADACHAR SEVAK/SEVIKA** and solemnly pledge:

* to build up the **SADACHAR BHARATI** to promote Values and Purity in Public Life and to eliminate corruption now rampant in every department of human activity in our Motherland, in many and varied forms, threatening to destroy the very foundation of our polity;

* to do my very best to enlist as many **SADACHAR SEVAKS/SEVIKAS** as possible, particularly, from among the youth, to build up **SADACHAR BHARATI** as a constructive, vigorous, effective and all-embracing mass movement to promote Values and Purity in Public Life and to end corruption in every sphere of activity;

* to revitalise the rural economy by promoting rural industries and rural self-employment schemes and to enrich the rural life through institutions like Gram Sabhas, Panchayats and Voluntary Organisations.

* It shall be my conscientious effort to transform our 47-year-old **SWATANTRA BHARAT** into **SADACHAR BHARAT** before Independent India steps on to her Golden Jubilee in 1997, three years from now.

* I shall diligently and perseveringly do my patriotic and democratic duty to expeditiously achieve this goal, lest India of the dreams of Mahatma Gandhi and other stalwarts, architects and builders of Free India and the millions who suffered and sacrificed their lives to win **SWARAJ** should fade and disintegrate within our lifetime.

اسلام پر وہ طرح طرح کے لغو اعتراضات کرتے اور میں ان کا جواب نہیں دے پاتا۔ اس سے میرے اندر مطالعہ کا جذبہ پیدا ہوا۔ میں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اب خدا کے فضل سے میرا ذہن پوری طرح اسلامی ہے۔ اور خدا کے فضل سے اسلام کے بارہ میں ہر قسم کے سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ بعد کو انھوں نے اردو بھی سیکھ لی۔

یہ تجربہ بتاتا ہے کہ کس طرح ہر عسر میں ایک یسر چھپا ہوتا ہے۔ ہر ناموافق صورت حال میں کچھ موافق حالات موجود رہتے ہیں۔ انگریزی تعلیم کا ادارہ جس کو کچھ لوگ "قتل گاہ" بتا رہے تھے، وہ اسلام کا مجاہد تیار کرنے کا ادارہ بن گیا۔

۲ اکتوبر کی صبح کو جسٹس قاضی کے مکان پر جناب ایس زیڈ ایچ قاضی (ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، تھانے) اور آر جے قادری ایڈوکیٹ آ گئے۔ ان لوگوں سے دیر تک الرسالہ مشن اور مسلم مسائل پر گفتگو ہوئی، انھوں نے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی۔

یہاں سے روانہ ہو کر ہم لوگ مسٹر مدھو مہتا کے یہاں آ گئے۔ ان سے دیر تک ملکی مسائل پر گفتگو ہوئی۔ پلیگ کی حالیہ وبا کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "مولانا صاحب، جو انسان نہیں کر سکتا تھا وہ خدا نے کر دیا۔ ایسا طمانچہ مارا ہے کہ سب کی ہوا نکال دی"۔ انھوں نے بتایا کہ آج کل بے نظمی کا یہ حال ہے کہ الٰہ آباد کے ہائی کورٹ کے جج نے سپریم کورٹ کو یہ درخواست دی کہ مجھے پولیس سے خطرہ ہے، مجھ کو پولیس سے بچاؤ۔ یہ کیس جب سپریم کورٹ میں آیا تو سپریم کورٹ کے جج نے کہا کہ یہ خاتمہ کا آغاز ہے :

This is the beginning of the end.

مسٹر مدھو مہتا (بمبئی) نے بتایا کہ وہ سورت گئے۔ وہاں ٹکسٹائل انڈسٹری کے تحت، اٹھارہ کانیں ہیں۔ ان لوگوں کا روزانہ کا ٹرن اوور کروروں بلکہ اربوں روپے تک پہنچتا ہے۔ مگر یہ لوگ شہر یا محلہ کی صفائی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ مسٹر مہتا نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ اعشاریہ ایک فی صد بھی اس کام کے لیے نکالو تو تم نہ صرف اپنے محلہ کی بلکہ سارے شہر کی صفائی کر سکتے ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ سورت میں بھیانک پلیگ کا پھوٹ پڑنا ایک چیتاونی ہے۔ اب ہر جگہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ کوآپریٹو سوسائٹیاں بنائیں اور کئی ذمہ داریاں جس کو وہ اب تک سرکار پر ڈالتے

رہے ہیں ان کو خود قبول کریں۔ مثلاً شہر کی صفائی، غریب نوجوانوں کی تعلیم، بے روزگاروں کے لیے تعلیم کی فراہمی۔ جاپان میں اسی طرح انتظامیہ میں شہریوں کی شرکت سے ترقی ہوئی ہے۔ یہی اب ہمیں بھی کرنا ہے۔ دوسرا کوئی راستہ موجودہ حالات میں ممکن نہیں۔

ہفت روزہ بلٹز کے چیف ایڈیٹر مسٹر سدھیندر کلکرنی ملاقات کے لیے آئے تو انھوں نے اپنے اخبار کا شمارہ ۱۳ اگست ۱۹۹۴ دیا۔ اس شمارہ کا اڈیٹوریل خلافت (۱۹۱۹، ۱۹۹۴) پر تھا۔ انھوں نے اس کے اڈیٹوریل میں مولانا محمد علی کے اس مشہور جملہ پر تنقید کی تھی کہ میرے مذہب کے نقطۂ نظر سے ایک برا مسلمان بھی گاندھی سے بہتر ہے:

From the point of view of my religion, the worst Muslim is superior to, and closer to me than, Gandhi.

میں نے کہا کہ یہ اسلام کی بات نہیں ہے۔ یہ محمد علی کی اپنی بات ہے۔ اس قول کی بنیاد پر آپ اسلام کے بارہ میں کوئی رائے قائم نہ کریں۔ اس مضمون میں مسلمانوں کی انتہا پسندانہ تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں میں کب ایک مہاتما پیدا ہوگا جو جنونی مسلمانوں سے لڑے اور ساری دنیا کے مفاد کے لیے اسلام کی سچی روح کو زندہ کرے:

When will a Mahatma be born among Muslims to fight pan-Islamic fanaticism and to revive for the benefit of the whole world, the true spirit of Islam. (p. 16)

مسٹر کلکرنی سے دوسری ملاقات ہوٹل میں ہوئی۔ ان سے مذہب اور عقیدہ کے سوال پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ انھوں نے تعدد عقیدہ (multiple faith) کے نظریہ کی حمایت کی۔ میں نے کہا کہ عقیدہ کا تعلق سچائی سے ہے۔ اور سچائی (ٹروتھ) کو دی ٹروتھ ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر اس کے ساتھ وہ گہرا تعلق نہیں ہو سکتا جو مطلوب ہے۔

انھوں نے کہا کہ یہ واقعہ کہ اسلام کروروں آدمیوں کو ساری دنیا میں متحرک کر سکتا ہے، یہ واقعہ مجھ کو یہ ماننے کی طرف لے جاتا ہے کہ اسلام میں کوئی خاص اندرونی خوبی موجود ہے:

The fact that Islam could inspire and activate millions of ordinary human beings—and that too across vast tracts of the world and in a very short period of time—leads me to believe that there is something intrinsically good in Islam (Sudhendra Kulkarni)

باندرہ کی سڑک سے ہم لوگ گزر رہے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ گاڑی روک کر باندرہ کی جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ وہاں میں پانی کے پاس وضو کے لیے کھڑا ہوا تھا کہ ایک صاحب نے کہا "السلام علیکم، میرے لیے دعا کیجئے"۔ میں نے سمجھا کہ مولوی ہونے کے اعتبار سے وہ مجھ سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ مگر اس کے بعد ان کا اگلا جملہ یہ تھا کہ "میں الرسالہ کا قاری ہوں۔ کلثوم کتاب گھر سے ہر ماہ الرسالہ خرید کر پڑھتا ہوں۔ میں نے الرسالہ سے بہت کچھ سیکھا ہے"۔ الرسالہ خدا کے فضل سے اتنا عام ہو گیا ہے کہ دہلی سے لے کر مالٹا اور ربار بیڈوز تک جہاں بھی میں گیا، ہر جگہ ایسے لوگ مل گئے جو الرسالہ یا انگریزی اور عربی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور پیشگی طور پر ہمارے مشن سے واقف تھے۔

لکی ہوٹل میں ایک میٹنگ ہوئی۔ کچھ لوگوں نے سوال کیا کہ فقہی اختلاف کا معاملہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ جب دین ایک ہے تو اس میں اتنے اختلافات کیوں۔ یہاں میں نے آدھ گھنٹہ کی ایک گفتگو میں اس مسئلہ کی وضاحت کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اختلاف بعض اوقات تنوع کے معنی میں ہوتا ہے۔ آداب عبادت میں اختلاف بھی تنوع کے معنی میں ہے۔ دور نبوت، دور صحابہ اور دور تابعین میں ان کو اسی معنی میں لیا جاتا تھا۔ اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ کر لو تب بھی ٹھیک ہے، وہ کر لو تب بھی ٹھیک ہے۔ مگر تبع تابعین کے زمانہ میں ایک نیا ذہن پیدا ہوا۔ انھوں نے خود ساختہ معیار کے تحت شریعت میں "وحدت" لانے کی کوشش کی۔ انھوں نے چاہا کہ ایک کو قابل اخذ اور دوسرے کو قابل ترک، یا غیر افضل ثابت کریں۔ تنوع کو وحدت بنانے کی اس غیر فطری کوشش نے شریعت میں غیر ضروری اختلافات پیدا کر دیے۔

جناب نسیم علی خان صاحب کو عملی کام کرنے کا کافی تجربہ ہے۔ انھوں نے اپنے تجربہ کی روشنی میں ملی اصلاح کے سلسلہ میں کچھ باتیں کہیں۔ انھوں نے کہا کہ دفاع اسی وقت مفید ہے جب کہ وہ منظم ہو۔ ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ ہر ایک اپنے کو سردار سمجھ لیتا ہے۔ یہ انتہائی تباہ کن ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر محلہ میں ایک سینیر آدمی امیر ہو۔ اس امیر کے تحت ایک مشاورتی کمیٹی ہو، محلہ کے

بزرگ افراد اس کے ممبر ہوں۔ امیر کی اجازت کے بغیر کوئی نوجوان کبھی خود سے کوئی کارروائی نہ کرے۔ میرا تجربہ ہے کہ ۹۵ فی صد مواقع پر صرف بے وقوفی سے بات بگڑ جاتی ہے۔ امیر یہ بیوقوفی نہیں ہونے دے گا۔

انھوں نے کہا کہ اسی کے ساتھ ہر محلہ میں لائبریری ہو جہاں اچھی اور تعمیری کتابیں ہوں۔ لائبریری اگر قانونی طور پر رجسٹرڈ ہو تو اس کے لیے گورنمنٹ رقم دیتی ہے۔ لڑکیوں کے لیے مسجدوں میں ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ فجر سے ظہر تک اور پھر ظہر سے عصر تک مسجد خالی رہتی ہے۔ ان اوقات میں مسجد کو مدرسہ کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مسجد کا ڈبل استعمال ہوگا۔ وہ اخلاق اور علم دونوں کی تربیت کا مرکز بن جائے گی۔ اسی کے ساتھ جو لڑکے بے کار اِدھر اُدھر گھومتے رہتے ہیں ان کو ایک جگہ لا کر انھیں چھوٹے چھوٹے کام سکھائے جائیں تاکہ وہ روزگار پر لگ سکیں۔

۳ اکتوبر کی صبح کو بمبئی سے پونہ جانا تھا۔ ہوٹل سے جناب فاروق فیصل کے ساتھ روانگی ہوئی۔ انھوں نے دو سیٹ ریزرو کروائی تھی۔ مگر میں نے ان کا ٹکٹ واپس کرا دیا اور اکیلے پونہ گیا۔ میں نے کہا کہ صرف پہنچانے کے لیے کسی کو میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔

ہم لوگ دادر ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ پورا اسٹیشن ایک وسیع کوڑا خانہ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ پلیٹ فارم پر انسانوں کا اتنا ہجوم تھا کہ راستہ چلنا مشکل تھا۔ ہر طرف شور اور گندگی کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہندستان میں کچھ لوگ تو سب کچھ حاصل کیے ہوئے ہیں مگر بیشتر لوگ ابھی تک بھیڑ بکری کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس تباہ کن صورت حال کا سبب کرپشن کے سوا اور کچھ نہیں۔

دکن ایکسپریس میں سوار ہو کر جب میں پونہ کی طرف روانہ ہوا تو ریلوے لائن کے دونوں طرف جھگی جھونپڑیوں کی قطاریں اس طرح نظر آتی تھیں جیسے کہ یہ بھی ریلوے لائن کا کوئی حصہ ہوں۔ یہ منظر مجھے باہر کے ملکوں میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔

سفر قدیم ترین زمانہ سے انسان کی پرشوق تمنا رہا ہے۔ کیوں کہ سفر میں نئے نئے تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ ایک قدیم ناول نگار اپنی کہانی کے ایک کردار کی زبان سے کہتا ہے کہ مجھ کو دنیا کے آخری سرے تک لے جاؤ:

Take me away to the end of the world. (10/1085)

سفر عبرت اور نصیحت کا اہم ذریعہ ہے۔ اسی لیے اسلام میں بھی سفر کی خصوصی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن

میں فرمایا: قل سیروا فی الارض (الانعام ۱۱) تاہم قدیم زمانہ میں کوئی شخص آخری حد تک سفر نہیں کرسکتا تھا۔ یہ صرف بیسویں صدی میں مشینی سواریوں کی ایجاد کے بعد ہی ممکن ہوا ہے۔ راقم الحروف کو خدا کے فضل سے بار بار طویل سفر کے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔ ان سفروں کے دوران مجھ کو عبرت و نصیحت کا جو سامان ملا وہ صرف کتابی مطالعہ کے ذریعہ ممکن نہ تھا۔

پونہ اسٹیشن پر پہنچا تو جناب عبدالصمد شیخ اور دوسرے ساتھی موجود تھے۔ ان کے ہمراہ روانہ ہوکر نیو ایرا کالونی پہنچا۔ یہاں میرا قیام حاجی یونس صاحب کے مکان پر تھا۔

ہوٹل میٹروپلیس میں ۲ اکتوبر کو خطاب تھا۔ تعلیم یافتہ افراد جمع ہوئے۔ میں نے سیرت رسولؐ کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کی گئی کہ اسلام میں اصل مطلوب چیز امن ہے۔ جنگ ہر حال میں ایک ناپسندیدہ چیز ہے، الّا یہ کہ مجبورانہ طور پر کبھی دفاع کے لیے لڑنا پڑے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو، اور اللہ سے عافیت مانگو (لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا اللہ العافیۃ)

ایک ملاقات میں محمد اسحاق عثمان خان (پنویل) نے اپنی سادہ زبان میں کہا: اگر ہم ہندستان میں سچا مسلمان بن کر رہیں اور کاروبار کریں تو ہم کو کوئی بھی تکلیف یا دقت نہیں ہے۔

جناب نسیم علی خان صاحب (۳۵ سال) نے کہا کہ اصل مسئلہ فرقہ پرست ہندو نہیں ہے بلکہ پولیس ہے جس کے پاس ہتھیار ہے اور اختیار بھی۔ یہ دونوں چیزیں ہمارے پاس نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے ان سے لڑنا خودکشی ہے۔ ہم کو پولس سے نہیں ٹکرانا ہے، حتی کہ اگر وہ نقصان کریں تب بھی ہم کو برداشت کرلینا ہے۔ ابتداءً تھوڑا نقصان ہوسکتا ہے، لیکن اگر اس ابتدائی نقصان کو برداشت کرلیا جائے تو ہم زیادہ بڑے نقصان سے بچ جائیں گے۔

۳ اکتوبر کو مغرب کی نماز پونہ کی مسجد کاغذی پورہ میں پڑھی۔ وہ پہلے ایک چھوٹی سی بوسیدہ مسجد تھی۔ آج وہاں بہت بڑی دو منزلہ عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ وہ ایک بہت بڑے ہال کی صورت میں بنائی گئی ہے۔ آپ ملک کی جس مسجد یا مدرسہ میں جائیے، اس میں اضافہ اور ترقی دکھائی دے گا۔ یہ ایک علامت ہے جو بتاتی ہے کہ خدا کا دین ترقی کی طرف مارچ کر رہا ہے۔ مگر کچھ لوگ

بدستور دین کی مظلومیت کا اعلان کرنے میں مصروف ہیں۔ میں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بتایا کہ صحیح اسلامی مزاج یہ ہے کہ واقعات کے تاریک پہلو کو نظر انداز کیا جائے اور اس کے روشن پہلو کو دیکھا جائے۔ اس سے ایک طرف شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ دوسری طرف اس سے مایوسی کے بجائے حوصلہ کی غذا ملے گی۔

اس کے بعد ہم لوگ جناب عطار صاحب کے دفتر (الفا انجینیرنگ ورکس) میں گئے۔ وہاں ایک مختصر میٹنگ کا انتظام تھا۔ میں نے کچھ احادیث کی روشنی میں بتایا کہ زبان کا ایک صحیح استعمال ہے اور دوسرا اس کا غلط استعمال۔ صحیح استعمال پر آدمی انعام کا مستحق بنتا ہے اور غلط استعمال پر عذاب کا۔ مثلاً کسی کے خلاف آپ کو بولنا ہے تو الزام کی بولی بولنا زبان کا غلط استعمال ہے اور دلائل کی بنیاد پر منصفانہ کلام کرنا زبان کا صحیح استعمال۔

آج عشاء کی نماز میں نے پونہ کی مکہ مسجد میں پڑھی۔ یہاں نماز کے بعد خطاب ہوا۔ خطاب کا موضوع تھا بدگمانی۔ احادیث کی روشنی میں بتایا کہ گمان کی بنیاد پر رائے قائم کرنا سخت گناہ ہے۔ اس کو سب سے بڑا جھوٹ کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی ظاہری بات کو دیکھ کر ایسی بے بنیاد رائے قائم کر لیتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طرح گمان نتیجۃً جھوٹ تک پہنچ جاتا ہے۔

آج رات کو جناب حاجی یونس صاحب کی قیام گاہ (نیو ایرا کالونی) میں ایک اجتماع ہوا۔ اس میں تعلیم یافتہ مسلمان شریک ہوئے۔ اس موقع پر میں نے اس مسئلہ کو بیان کیا کہ کمزور لوگ بھی طاقتور پر غالب آتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون فطرت کے تحت پیش آتا ہے۔ اس اجتماع میں کالونی کے تقریباً دس عرب طلبہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ پونہ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

۴ اکتوبر کو فجر کی نماز نیو ایرا کالونی کی مسجد میں پڑھی۔ نماز کے بعد مختصر خطاب ہوا۔ اس میں نماز کی حقیقت کے بارہ میں کچھ حدیثیں پیش کی گئیں۔

۴ اکتوبر کو مہاراشٹر کا سمو پولیٹن ایجوکیشن سوسائٹی (MCES) میں پروگرام تھا۔ ۲۲ ایکڑ کے رقبہ میں پھیلی ہوئی اس دنیا میں مختلف ادارے ہیں جس میں تقریباً سات ہزار لڑکے اور لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔

اس کے بعد یہاں کے اسمبلی ہال میں خطاب ہوا۔ ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ اس میں سب تعلیم یافتہ افراد شریک تھے۔ اس موقع پر میں نے علم کی اہمیت پر خطاب کیا۔ تقریر کے بعد کچھ تحریری سوالات آئے جن کا جواب دیا گیا۔

ایم سی ای سوسائٹی میں یونانی طب کا بھی ایک شعبہ ہے۔ اس کے ایک کمرہ میں شیشہ کے کیس کے اندر ہر قسم کے مفردات رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کالے رنگ کی وہ لکڑی تھی جس کو عودِ صلیب کہتے ہیں۔ یہ یونانی طب میں مرگی کی خاص دوا ہے۔ اس کے انچارج حکیم صاحب نے بتایا کہ اس کو عود صلیب اس لیے کہتے ہیں کہ اس کو جب توڑا جائے تو اس کے اندر صلیب کی مانند متقاطع نشان ملتا ہے۔ لکڑی کو یہ نام کس نے دیا مسلم اطبا نے۔ دورِ عروج میں کسی لکڑی کو عود صلیب کہنے میں مسلمان کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ آج مسلم دانشوروں کی کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ لکڑی کا نام کسی نہ کسی طرح عود ہلال یا عود اسلام رکھ سکیں۔ دورِ عروج کی علامت حقیقت پسندی ہے اور دورِ زوال کی علامت جذبات پسندی۔

یہاں کی لائبریری میں ابن سینا کی مشہور کتاب القانون دیکھی۔ اس کے مقالہ ۱۳ میں "گردہ کی چربی کے نکلنے کی علامت" پر بحث ہے۔ اس میں ابن سینا اپنے نزدیک صحیح نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل بات وہ ہے جو میں نے لکھی نہ کہ وہ جس کو موجودہ زمانہ کے جاہل طبیب سمجھ رہے ہیں (کما یعتقدہ الجھلۃ من اطباء عصرنا ھذا) صفحہ ۱۴۸

اس کو پڑھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ ابن سینا جیسے ہزاروں دماغ ہیں جنھوں نے ماضی میں اس قسم کے مدعیانہ الفاظ بولنے کی جرأت کی۔ مگر بعد کے زمانہ کی تحقیقات نے خود انھیں کو غلط ثابت کر دیا۔ قدیم کتابوں میں یہ صرف قرآن ہے جو استثنائی طور پر اس کے برعکس ایک مثال ثابت ہوا ہے۔

۴ اکتوبر کو مغرب کی نماز پراوداکی مسجد میں پڑھی۔ یہاں مولانا سید نور صاحب امام اور خطیب ہیں وہ ابھی نوجوان ہیں، مگر نہایت سنجیدہ اور ذہین آدمی ہیں۔ عربی اور انگریزی دونوں زبان پر قدرت رکھتے ہیں۔ تقریر کا بھی اچھا ملکہ ہے۔ صاحب مطالعہ ہونے کی وجہ سے زمانہ کے احوال سے بھی پوری طرح باخبر ہیں۔

نماز کے بعد مسجد میں خطاب ہوا۔ میں نے اپنی تقریر میں نماز کو موضوع بنایا۔ میں نے بتایا کہ نماز محض رسمی پرستش نہیں ہے بلکہ وہ ایک انقلابی عمل ہے۔ نماز آدمی کو اعلیٰ اخلاقی انسان بناتی ہے۔ مسلمانوں میں اگر نماز والے اوصاف آجائیں تو وہی ان کی مکمل فلاح کے لیے کافی ہو۔

عشاء کی نماز کے بعد جناب انعام دار صاحب کے مکان پر نشست ہوئی۔ یہاں شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ

افراد سو سے زیادہ تعداد میں اکٹھا ہوئے۔ ان کے سامنے تفصیلی خطاب ہوا۔

میں نے کہا کہ ہندستان میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہندو اور مسلم کے درمیان غلط فہمی ہے۔ اس غلط فہمی کو ہمیں ختم کرنا ہے۔ اس کو ختم کیے بغیر کوئی بھی مثبت کام نہیں کیا جاسکتا۔

۵ اکتوبر کی صبح کو پونہ کالج دیکھا۔ پہلی بار میں نے اس کو ۱۹۷۲ میں دیکھا تھا۔ اس مدت میں یہاں کافی ترقی نظر آئی۔ مجموعی طور پر پونہ میں قابل لحاظ تعلیمی ترقی ہوئی ہے۔ جب کہ مثال کے طور پر دہلی میں مسلمانوں کے اندر ایسی ترقی دکھائی نہیں دیتی، اس کی وجہ تاریخی ہے۔ پونہ میں بہت پہلے سے تعلیم کا چرچا تھا۔ ہندو، عیسائی، پارسی فرقے یہاں سو سال سے پہلے سے تعلیم کا کام کر رہے تھے۔ اس کا فائدہ مسلمانوں کو بھی ملا۔ جب کہ دہلی زیادہ تر سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔

یہاں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان خطاب ہوا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم اشیاء دے کر پیدا کیا۔ مگر یہ علم اشیاء بطور امکان انسان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اس امکان کو واقعہ بنانے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اسلام میں علم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

جناب انعام دار صاحب نے ایک مجلس میں ہمارے مشن کے بارہ میں بولتے ہوئے کہا کہ "مولانا کا مشن کیا ہے، لوگوں میں کانفیڈنس پیدا کرنا۔ کانفیڈنس سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ اگر لوگوں میں کانفیڈنس آجائے تو اس کے بعد ان کے لیے ہر کام آسان ہو جائے گا۔ کانفیڈنس نہ ہو تو آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

خطاب کے پروگرام کے بعد پرنسپل صاحب کے کمرہ میں نشست ہوئی۔ یہاں ادارہ کے ذمہ داران جمع ہو گئے۔ ان سے سوال و جواب کی صورت میں دیر تک گفتگو ہوئی۔ ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے لیے سنگل پوائنٹ فارمولا صرف تعلیم ہے۔ مسلمانوں کو اپنی طاقت صرف تعلیم پر لگا دینا چاہیے۔ ان کا نشانہ یہ ہونا چاہیے کہ ان کے اندر صد فی صد لوگ تعلیم یافتہ ہو جائیں۔ تعلیم کے مقابلہ میں ہر چیز کی حیثیت سکنڈری ہے۔ موجودہ تمام مسائل کا واحد سبب تعلیم میں ان کا پچھڑا پن ہے۔

۵ اکتوبر کو ساڑھے گیارہ بجے گولڈن جوبلی ٹکنکل انسٹی ٹیوٹ میں "نشہ بندی کا ریہ کرم" منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں شرکت کی۔ عمارت کی بیسمنٹ میں نشہ کے نقصانات تصویر کی صورت میں دکھائے

گئے تھے۔ ایک بڑی میز پر نشہ کی مختلف قسمیں بطور نمونہ رکھی ہوئی تھیں۔ اس میں سے ایک سفید رنگ کا مادہ تھا۔ اس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ میٹھا ہوتا ہے۔ لوگ اس کو "پرشاد" کے طور پر کھلا کر مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔

پونہ کارپوریشن کے میئر علی بھائی سومجی بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ وہ پونہ کے پہلے مسلمان میئر ہیں اور خوجہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میئر نے مرھٹی زبان میں تقریر کی۔ آخر میں انھوں نے کہا: جے ہند، جے مہاراشٹر۔

میں نے سوچا کہ نشہ فری زندگی کامیابی کا راز ہے۔ مگر شراب اور بھنگ اور افیون جیسی چیزوں کے علاوہ بھی نشہ پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔ مثلاً دولت، اقتدار، عقل، بھیڑ، سرکار رسی وغیرہ ہیں۔ نشہ آدمی کو نارمل حالت میں باقی نہیں رکھتا۔ اور تمام ترقیاں نارمل حالت ہی میں ہوتی ہیں۔ اس دنیا میں وہی آدمی پائدار کامیابی حاصل کرسکتا ہے جو اپنے آپ کو ہر قسم کے نشہ سے دور رکھے۔

۵ اکتوبر کی شام کو عشاء کی نماز نیو ایرا کالونی کے بی سکٹر کی مسجد میں پڑھی۔ اس کے بعد عبد الغفار عبد الرحمٰن (ساگر کنسٹرکشن) کی رہائش گاہ پر اجتماع ہوا۔ میں نے کچھ احادیث کی روشنی میں ایک دینی تقریر کی۔

حاجی یونس صاحب تاجر ہیں۔ ان سے میں نے پوچھا کہ بزنس میں ترقی کا راز کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ——— ایک دوسرے کی عزت کرکے چلنا، لوگوں کے ساتھ ایڈجسٹ کرکے رہنا، خدا کا خوف دل میں رکھ کر چلنا۔ یہ سمجھنا کہ جب میں خدا کی نظر میں ہوں تو پھر فکر کیا۔ وہ سب کو دیتا ہے تو مجھ کو کیوں نہیں دے گا۔

حاجی یونس صاحب کی تین لڑکیاں اپنے سسرال میں خوشی کے ساتھ رہ رہی ہیں میں نے حاجی صاحب کی اہلیہ سے پوچھا کہ اس کا راز کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ "میں ہمیشہ اپنی لڑکیوں سے ایسا بولتی کہ دیکھو، ہمیشہ نرمی سے رہنا، کسی کا جواب نہیں دینا، اونچی بات نہیں کرنا، اس لیے عزت کرتے ہیں وہ لوگ۔"

۵ اکتوبر کو نماز ظہر کے بعد فیاض احمد صاحب کے مکان پر ایک میٹنگ تھی۔ عبد القادر میمن صاحب نے بتایا کہ ۲۵ سال پہلے پونہ میں مسلمانوں میں غلط دھندے بہت تھے۔ شراب، جوا وغیرہ۔ مگر اب یہ بہت کم ہوگیا ہے۔ اس تبدیلی میں دوسرے اسباب کے علاوہ تبلیغی جماعت کی کوششوں

کا بھی خاص دخل ہے۔

۵ اکتوبر کو نماز سے کچھ پہلے جب میں نیو ایرا۔ بی (New Era-B) کی مسجد میں پہنچا تو مسجد سے ایک سو قدم کے فاصلے پر کھلے میدان میں نوراتری کا جلسہ ہو رہا تھا۔ آج اس کا پہلا دن تھا۔ ہندو مرد اور عورتیں جمع ہو کر ناچ اور گانے میں مشغول تھے۔ اسی کے ساتھ وہاں لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے گانے اور باجے کی آواز دور تک پھیل رہی تھی۔ اس کا شور میرے کانوں سے ٹکرایا تو فوری طور پر میرے اندر سخت رد عمل پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ شور و غل کے اس ماحول میں ہمارا پروگرام کیسے چل سکے گا۔

عین اس وقت مجھے کسی کا ایک قول یاد آیا جس نے میرے ذہن کو ٹھنڈا کر دیا۔ وہ قول اس طرح ہے کہ پختگی یہ ہے کہ آدمی ان چیزوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر کے رہ سکے جن کو وہ بدل نہیں سکتا۔ اس ایڈجسٹمنٹ کا تعلق قانونِ فطرت سے ہے نہ کہ انسان سے۔

عشاء کی نماز کے بعد اجتماع شروع ہوا۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ایک تعداد جمع تھی۔ جب میں نے تقریر شروع کی تو ابتداءً محسوس ہوا کہ سو قدم پر ہونے والا ہندوؤں کا پروگرام مسلسل پرشور مداخلت کر رہا ہے۔ مگر جب میں نے اس پر صبر کر لیا تو میرا ذہن منفی رخ سے ہٹ کر مثبت رخ پر سوچنے لگا۔ یہاں تک کہ اس شور و غل نے مجھے اپنی تقریر کے لیے بہترین موضوع دے دیا۔

میں نے کہا کہ عربی کا ایک مثل ہے کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں (تعرف الاشیاء باضدادھا) میں نے کہا کہ اس وقت صرف سو قدم کے فاصلہ پر یہاں لاؤڈ اسپیکر کا شور ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنا اجتماع کامیابی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اس شور نے نہ ہمارا جلسہ منتشر کیا اور نہ ہماری جان و مال کو کوئی نقصان پہنچایا۔

لیکن اب سے پہلے ۱۴ اپریل ۱۹۸۷ کو میرٹھ میں ٹھیک اسی طرح کے واقعہ پر زبردست فساد ہو گیا۔ وہاں مسلمانوں کا جلسہ بھی منتشر ہو گیا اور ان کے جان و مال کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ اس فرق کا سبب یہ تھا کہ ہم اس شور کو نظر انداز کر کے اپنا جلسہ کر رہے ہیں مگر میرٹھ کے مسلمان لاؤڈ اسپیکر کے شور کو جو کہ ایک مندر سے آ رہا تھا نظر انداز نہ کر سکے۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر لاؤڈ اسپیکر کو بند کروانے کی کوشش کی اور جب وہ لوگ لاؤڈ اسپیکر بند کرنے پر راضی نہیں ہوئے تو اس کو توڑ کر پھینک

دیا۔ اس کے بعد وہاں زبردست فساد ہوا اور مسلمانوں کو ناقابل بیان جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ (تفصیل کے لیے : الرسالہ نومبر ۱۹۸۸)

اس سلسلہ میں ضروری تفصیلات عرض کرنے کے بعد میں نے کہا کہ اس دنیا میں صبر و اعراض سے کامیابی ملتی ہے۔ اور بے صبری اور مستقل مزاجی صرف تباہی تک لے جانے والی ہے۔ پونہ اور میرٹھ کا تقابل اس کو سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے۔

میں نے کہا کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندستان کے فرقہ وارانہ فسادات سازش کے تحت ہوتے ہیں۔ مگر یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ سازش کرنے والے سازش نہیں کرتے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بذات خود سازش میں فساد کرنے کی طاقت نہیں۔ سازش کو فساد تک پہنچنے کے لیے ایک اور چیز درکار ہے۔ اگر یہ مددگار چیز اسے فراہم نہ کی جائے تو محض سازش کی بنا پر کبھی خونی فساد نہیں ہو سکتا۔

یہ دوسری چیز ہے سازش کرنے والوں کے ایگو کو بھڑکانا۔ سازش کرنے والے اپنی ایگو کو خود سے بھڑکا نہیں سکتے، جس طرح پٹرول خود سے اپنے کو آگ نہیں لگا سکتا۔ سازشیوں کی ایگو کو بھڑکانے کا کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ اگر ماچس کا کام نہ کریں تو فساد کا پٹرول بھڑکنے والا بھی نہیں۔

میں نے کہا کہ آپ میں سے کسی کو اگر اس میں شک ہو تو ابھی وہ اس کا تجربہ کر سکتا ہے۔ ہمارے جلسہ سے دو آدمی اٹھ کر جائیں اور شیوراتری والوں سے ان کا لاؤڈ اسپیکر بند کرنے کے لیے کہیں اور جب وہ بند نہ کریں تو ان کا لاؤڈ اسپیکر توڑ کر پھینک دیں اور اس کے بعد دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہی ہوگا جو ۱۹۸۷ میں ٹھیک اسی سبب سے میرٹھ میں پیش آیا۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ نظریہ قرآن سے اخذ کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو ان کی سازش تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گی (آل عمران ۱۲۰) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ صبر و تقویٰ سازش کا توڑ ہے۔ یہ آیت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر کوئی تمہارے خلاف سازش کر رہا ہو تو تم اس کے پیچھے نہ دوڑو بلکہ خود اپنے اندر صبر اور تقویٰ کی صفت پیدا کر لو۔ اس کے بعد یقینی طور پر تم ان کے شر سے محفوظ رہو گے۔

ایک مجلس میں میں نے کہا کہ اجتماعی جرم اکثر دو طرفہ غلطی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایسے جرم میں اس کے دونوں فریق برابر کے شریک قرار پاتے ہیں۔ یہ جرم وہ ہے جس کو قانون کی اصطلاح میں مشترک غفلت (contributory negligence) کا نتیجہ کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک آدمی سڑک پر گاڑی چلا رہا ہے۔ اسی وقت دوسرا آدمی سامنے سے اپنی گاڑی چلاتا ہوا آگیا۔ اب یہ دونوں کی ذمہ داری ہے کہ ہر ایک موقع کے لحاظ سے ضروری احتیاط (care) کرے۔ مثلاً اگر وہ تیز رفتار تھا تو وہ اپنی رفتار کو کم کرے۔ وہ اپنی گاڑی کو کنارے کی طرف لے جائے، وغیرہ۔ اگر دونوں ہی بے احتیاطی کے ساتھ اپنی اپنی گاڑی دوڑاتے رہیں تو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ ایسی حالت میں قانونی اعتبار سے دونوں برابر کے قصوروار سمجھے جائیں گے۔

اسی کا نام مشترک غفلت ہے۔ زندگی کے اکثر حادثات اسی قسم کی مشترک غفلت کے نتیجہ میں واقع ہوتے ہیں —— دوسرے کی غلطی میں حصہ دار نہ بنئے، دوسرے کی غلطی میں حصہ دار بننا بھی اپنے آپ کو غلط کار ثابت کرنا ہے۔

۶ اکتوبر کو ظہر کی نماز مکہ مسجد میں پڑھی۔ یہاں کی ایک چیز مجھے پسند آئی۔ وہ اوقات نماز کی گھڑی کا طریقہ ہے۔ انھوں نے دیوار پر ایک بڑا سا گھڑی کا ماڈل لگا دیا ہے۔ اس کی سوئی ہر نماز کے بعد گھما دی جاتی ہے۔ مثلاً اس وقت وہ ڈیڑھ بجے کا وقت بتا رہی تھی، یعنی ظہر کی نماز کا وقت۔ نماز کے بعد اس کو عصر کے وقت پر کر دیا گیا۔

نماز کے بعد کچھ لوگ اکٹھا ہو گئے۔ آدھ گھنٹہ تک ان سے گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ دعوت کا کام ہمیشہ قربانیوں پر چلتا ہے۔ مگر ہندستان میں دعوت کے عمل کو زندہ کرنے کے لیے اصل قربانی جو مطلوب ہے وہ ابھی تک مسلمانوں نے دی نہیں۔ اسی لیے یہاں دعوت کا عمل بھی جاری نہ ہو سکا۔ یہ قربانی ہے ہندو نفرت کو اپنے دل سے نکال دینا۔ مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ ان کو دعوت والا ثواب دیا جائے تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنے دل سے ہندو نفرت کو یک طرفہ طور پر نکال دیں۔ نفرت کو نکال کر وہ ہندو کے لیے ہدایت کی دعا کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان کے اور ہندوؤں کے درمیان نارمل فضا میں اختلاط ہونے لگے گا اور پھر دعوت کا عمل اپنے آپ جاری ہو جائے گا۔ یہی دعوت حق کے لیے خدا کا مقرر کیا ہوا طریقہ ہے۔

پونہ کی سڑکوں پر سفر کرتے ہوئے بار بار اسپیڈ بریکر کے جھٹکے لگتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ موجودہ وزیر اعظم ہند کچھ عرصہ پہلے پونہ آئے تھے۔ اس وقت راتوں رات ان کی گزرگاہ کے تمام اسپیڈ بریکر توڑ دیے گئے اور سڑک راتوں رات ہموار کر دی گئی۔

جس ملک کے حکمراں اس طرح صرف ہموار سڑکوں پر سفر کرتے ہیں ان کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں کے عوام کو سڑک کے جھٹکوں کو برداشت کرتے ہوئے سفر کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نہایت ضروری ہے کہ حکمراں بھی انھیں تجربات سے گزرے جن تجربات سے عوام گزر رہے ہیں اس کے بغیر ملک کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔

بمبئی میونسپل کارپوریشن کے معطل ڈپٹی میونسپل کمشنر جی آر کھیرنار کا چرچا پونہ تک میں سنائی دیا۔ یہاں بھی کچھ لوگ ان کے بارہ میں گفتگو کرتے ہوئے نظر آئے۔ آج کل وہ عوامی جلسوں میں حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف پر جوش تقریریں کر رہے ہیں اور ہیرو بنے ہوئے ہیں۔ ایک تقریر میں انھوں نے کہا کہ ملک کی تمام اپوزیشن پارٹیاں میرے ساتھ ہیں۔

میں نے ایک صاحب سے بات کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ ماضی کے تجربات سے سبق نہیں لیتے۔ آپ کھیرنار سے بڑی بڑی امیدیں قائم کیے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ اس سے پہلے ہم کئی سپر کھیرنار کا تجربہ کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا ایک سپر کھیرنار تھے۔ انھوں نے نان کانگریس ازم کی تحریک چلائی۔ اور اس میں انتخابی کامیابی بھی حاصل کی۔ مگر وہ سراسر بے نتیجہ رہی۔ اسی طرح جے پرکاش نرائن ایک سپر کھیرنار تھے۔ انھوں نے ٹوٹل ریولیوشن (سمپورن کرانتی) کی دھواں دھار تحریک چلائی۔ اور کانگریس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر دوبارہ نتیجہ صفر رہا۔ ایسی حالت میں موجودہ کھیرنار کون سا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ منفی سرگرمیوں سے کبھی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

پونہ میں بمبئی کا اخبار انقلاب کافی پڑھا جاتا ہے۔ اس کے شمارہ ۳۰ ستمبر ۱۹۹۴ میں لندن کے اخبار ٹائمس (۴ ستمبر) کی ایک رپورٹ نقل کی گئی تھی۔ اس میں مذکورہ اخبار کے نامہ نگار لیزلی تھامس نے بتایا ہے کہ برطانوی خواتین اسلام میں ایک نئی اخلاقیات دریافت کر رہی ہیں۔ رپورٹ میں بشیرہ (Bashira Rosser Owen) اور مائرا کولمین (Moira Ni Cholman) کا انٹرویو ہے جس میں انھوں نے بتایا کہ ہم نے اسلام قبول کر کے مسلمان سے شادی کر لی ہے اور ہماری زندگی نہایت خوشگوار

ہے۔ رپورٹ کے مطابق، برطانیہ میں ایسی خواتین کی تعداد دس ہزار ہو چکی ہے۔ اور یہ زیادہ تر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ویلز یونی ورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کے نومسلم صدر معشوق ابن علی نے برطانیہ میں قبول اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھ کو خاص طور پر یہ دیکھ کر تعجب ہے کہ مسلمان ہونے والی بیشتر خواتین اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ رجحان اس حقیقت کے باوجود جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ مغرب میں میڈیا کے علاوہ آزادیٔ نسواں کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں بھی اسلام کی منفی تصویر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ ہندو سے گفتگو ہوئی۔ وہ اس نظریہ کی حمایت کر رہے تھے کہ سچائی متعدد ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ فلاں مذہب ہی سچا مذہب ہے۔ میں نے اس نظریہ کی تردید کی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کی گفتگو کے بعد انھوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اس نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے میں زیادہ اہل نہیں ہوں :

May be I am unable to explain the point.

اس کے بعد میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

پونہ میں ایک نئی خوب صورت مارکٹ وہاں کی ایک خاص سڑک پر بنائی گئی ہے۔ ایک صاحب یہ مارکٹ دکھانے کے لیے لے گئے۔ یہاں انسانوں کا ہجوم تھا۔ ہر طرف تجارتی سرگرمیاں جاری تھیں۔

یہاں میں نے ایک کپڑے کی دکان دیکھی۔ اس دکان کا کرایہ ۶۵ ہزار روپے مہینہ تھا۔ اس کے باوجود جن صاحب نے اس کو کرایہ پر لیا ہے، وہ اس سے صرف کرایہ کے طور پر پندرہ ہزار روپے مہینہ نفع کما رہے ہیں۔ انھوں نے یہ کیا کہ دکان کے سامنے چند میزیں بچھا دیں۔ اس کو الگ الگ افراد کو روزانہ کی بنیاد پر کرایہ پر دے دیا۔ اس کے بعد دکان کے بیچ میں لوہے کا اسٹینڈ کھڑا کر کے وہاں بھی ایک درمیانی دکان قائم کر دی۔ اس طرح انھوں نے ایک دکان میں آٹھ دکانیں بنا دیں اور اس کے ایک حصہ میں اپنی دکان بھی رکھ لی۔

یہ سب کی سب سِلے ہوئے کپڑے (گارمنٹ) کی دکانیں تھیں۔ وہ ہر کرایہ دار سے یومیہ بنیاد پر کرایہ لیتے ہیں۔ یہ رقم مجموعی طور پر ۸۰ ہزار ہوتی ہے۔ ۶۵ ہزار روپے ماہانہ وہ مالک کو

دیتے ہیں اور پندرہ ہزار روپے مہینہ خود لے لیتے ہیں۔ اپنی "دکان" سے جو فروخت ہوتی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

اس کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ اوسط درجہ کی ایک دکان کو مذکورہ شخص ۶۵ ہزار روپے ماہوار کرایہ پر لینے کے لیے کیسے راضی ہو گیا۔ جب کہ ایک عام آدمی اس کو اتنی بھاری قیمت پر لینے کے لیے کبھی راضی نہ ہوتا۔ ایک غیر تجارتی آدمی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ یہ کوئی نفع کا سودا ہے۔ مگر تجارتی راز کو جاننے والے آدمی نے سمجھ لیا کہ یہ یقینی طور پر ایک نفع بخش سودا ہے، اور آگے بڑھ کر اسے لے لیا۔

یہی معاملہ دین کے لیے قربانی دینے کا بھی ہے۔ خدا کا مطالبہ ہے کہ دین کے لیے اپنا سب کچھ پیش کرو۔ اب جو لوگ یہ یقین کر لیتے ہیں کہ دنیا میں کم دے کر آخرت میں زیادہ پانا ہے وہ بڑھ کر اپنا سب کچھ دین کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کے اندر یہ یقین نہیں ہوتا وہ اس خدائی پکار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دنیا کی کامیابی بھی صاحب معرفت کو ملتی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی صاحب معرفت کے حصہ میں آئے گی۔

پونہ میں ایک پبلک پارک ہے جس کو ایمپرس گارڈن (Empress Botanical Garden) کہتے ہیں۔ ڈیڑھ سو سال پہلے وہ برطانی فوجیوں کے لیے بنایا گیا تھا اور سولجرس پارک کہا جاتا تھا۔ ۱۸۹۷ میں اس کو از سر نو درست کیا گیا اور کوئن الیزبتھ کے نام پر اس کا نام ایمپرس گارڈن رکھا گیا۔ اب دوبارہ اس کو زیادہ بہتر بنایا گیا ہے۔ گارڈن کمیٹی کی خاتون چیرمین سومن کرلوسکر کے الفاظ میں، عمارتی جنگل جیسے اس شہر میں یہ وسیع پارک لوگوں کے لیے تازہ ہوا حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا:

It will prove to be the retreat for a breath of fresh air, in a city that is rapidly turning into a concrete jungle.

۴۳ ایکڑ میں واقع یہ پارک گویا فطرت کی ایک سرسبز دنیا ہے۔ اس طرح کے قدرتی پارک انسان کو انسانی دنیا سے نکال کر خدا کی دنیا میں لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کل ان مقامات کو صرف تفریح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ان کو تذکیر کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ معرفت رب کے حصول کے مقامات بن جائیں۔ (اگلے صفحہ کے نیچے تصویر ملاحظہ ہو)

سید امتیاز الدین دسنوی ایک انجینیر ہیں۔ وہ نہایت سنجیدہ مزاج کے آدمی ہیں۔ انھوں نے

بتایا کہ ۱۹۶۷ میں وہ سروس کے تحت ضلع پونہ کے ایک مقام لونولہ (Lonavla) میں تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا، وہ وہاں کی ایک مسجد میں تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس درمیان سڑک سے شور و غل کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ ہندوؤں کا ایک جلوس مسجد سے ملی ہوئی سڑک سے گزر رہا ہے۔ جلوس مسجد کے سامنے پہنچ کر ٹھہر گیا۔ باجے اور نعرے کی پرشور آواز مسجد کی دیواروں سے ٹکرانے لگی۔

یہ دیکھ کر نمازی غصہ ہو گئے۔ کچھ لوگ اٹھے کہ جاکر جلوس والوں سے کہیں کہ یہ مسجد ہے۔ یہاں شور نہ کرو بلکہ آگے جاؤ۔ سید امتیاز الدین نے ان مسلمانوں کو سمجھایا اور کہا کہ آپ لوگ چند منٹ بیٹھ کر ذکر کر لیجئے۔ جلوس والے اپنے آپ آگے چلے جائیں گے۔ امتیاز الدین صاحب کے سمجھانے پر وہ لوگ مان گئے اور خاموش ہو کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سید امتیاز الدین صاحب نے بتایا کہ مشکل سے تین منٹ گزرے ہوں گے کہ آواز کم ہونے لگی اور تھوڑی دیر میں بالکل سکون ہو گیا۔ جلوس والے صرف تین منٹ تک مسجد کے سامنے ٹھہرے۔ اس کے بعد اپنے آپ ہی آگے بڑھ گئے۔

میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوتا کہ کچھ مسلمان سڑک پر آکر جلوس والوں کو روکتے تو وہ لوگ ضد میں پڑ جاتے۔ اب دونوں طرف سے اصرار بڑھتا۔ یہاں تک کہ جو مسئلہ ابتداءً صرف جلوس کا مسئلہ تھا، وہ بڑھ کر دونوں کے لیے وقار کا مسئلہ بن جاتا۔ اس کے بعد معاملہ اور آگے بڑھتا اور آخر کار وہ المیہ ظہور میں آتا جس کو فرقہ وارانہ فساد کہا جاتا ہے۔ اب ایک طرف مسجد کی نماز درہم برہم ہو جاتی اور دوسری طرف پوری بستی آگ اور خون میں نہا اٹھتی۔ حقیقت یہ ہے کہ امن اور فساد کے درمیان صرف تین منٹ کا فاصلہ ہے۔ اگر آپ تین منٹ کی ناخوش گواری کو برداشت کر لیں تو ہر طرف امن ہی امن ہوگا، اور اگر آپ تین منٹ کی ناخوش گواری کو برداشت نہ کریں تو ہر طرف فساد ہی فساد۔

ہر جگہ ایسے سبق آموز واقعات ملتے ہیں جن میں عمومی نصیحت ہوتی ہے۔ میں ہر جگہ اس قسم کے واقعات کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پونہ میں بھی اس طرح کے کئی واقعات معلوم ہوئے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ کو پونہ میں گنیش چترتھی کا سالانہ جلوس نکلنے والا تھا۔ اسی دن ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ بھی تھی۔ اور اس کی نسبت سے مسلمان اپنا میلاد النبیؐ کا جلوس نکالنا چاہتے تھے۔ اگر دونوں جلوس ایک ہی دن نکلتے تو عام تجربہ کے مطابق، سخت اندیشہ تھا کہ دونوں میں ٹکراؤ اور فرقہ وارانہ فساد کی نوبت آجائے۔ اور پھر خوشی کا دن پونہ والوں کے لیے غم کا دن بن جائے۔

پونہ کی سیرت کمیٹی نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنا ایک مشاورتی اجتماع کیا۔ مشورہ میں برکت ہے۔ چنانچہ مشورہ کے بعد ایک عمدہ تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اور وہ یہ کہ دونوں جلوس دو الگ الگ دنوں میں نکلیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ کیا کہ دوسروں کے خلاف مطالباتی تجویز پاس کرنے کے بجائے خود اپنی تاریخ بدل دی۔ انھوں نے میلاد النبیؐ کا جلوس چند دن کی تاخیر کے ساتھ ۲۷ ستمبر کو نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح ہندو جلوس اور مسلمان جلوس دونوں الگ الگ تاریخوں میں کامیابی کے ساتھ نکلے اور شہر کی پرامن فضا بحال رہی۔

اسی کا نام قرآن کی اصطلاح میں اعراض ہے۔ اعراض کوئی بے عملی یا پسپائی نہیں۔ اعراض حسن تدبیر کا دوسرا نام ہے۔ اعراض فطرت کا ایک آفاقی اصول ہے جو آسمان کے ستاروں سے لے کر جنگل کے جانوروں تک ہر جگہ رائج ہے۔ اسی فطری اصول میں انسان کی کامیابی کا راز بھی چھپا ہوا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ آر ایس ایس کی میٹنگوں میں جاتے ہیں اور ان کے لوگوں سے ملتے ہیں۔ وہ تو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ یہ نہ دیکھئے کہ میں کہاں جاتا ہوں۔ بلکہ یہ دیکھئے کہ کس لیے جاتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دشمنوں کے اجتماعات میں جاتے تھے۔ مگر آپ کا جانا اس لیے ہوتا تھا کہ خود اپنی بات دوسروں تک پہنچائیں۔ ہمیں بھی اسی سنت رسولؐ پر عمل کرنا ہے۔

میں نے کہا کہ آپ نے میری سرگرمیوں کی رپورٹ اردو اخبارات میں پڑھی ہوگی جو سنسنی خیز صحافت کے اصول پر چلائے جاتے ہیں۔ اگر آپ خود آر ایس ایس کے اخبارات کو دیکھتے تو آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہوتی۔ پھر میں نے ان کو ایک عملی مثال دی۔

میں نے کہا کہ نئی دہلی سے آر ایس ایس کے دو ہفت روزہ اخبار نکلتے ہیں۔ پانچ جنیہ (ہندی) اور آرگنائزر (انگریزی)۔ اس کے ذمہ داروں نے، جولائی ۱۹۹۰ کو اپنے دفتر (رانی جھانسی مارگ) میں ایک مشترک میٹنگ کی۔ ان کی دعوت پر میں اس میٹنگ میں شریک ہوا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اسلام کے موضوع پر گفتگو کی۔ اس واقعہ کی رپورٹ اردو اخبار میں چھپی تو اس کا عنوان اس نے ان الفاظ میں قائم کیا:

مولانا وحید الدین خان ——— مسلم دشمن طاقتوں کے کیمپ میں

اب آپ دیکھئے کہ وہ ہندو صاحبان جو اس میٹنگ میں موجود تھے اور جنھوں نے میری باتوں کو سنا ان کی نظر میں میری تقریر کیا تھی۔ آرگنائزر کے اڈیٹر مسٹر وی پی بھاٹیا نے اپنے اخبار کی دو قسطوں (۵ اگست، ۱۹ اگست ۱۹۹۰) میں اس پروگرام کا تفصیلی جائزہ شائع کیا۔ وہ خود اس پروگرام میں شروع سے آخر تک موجود تھے۔ انھوں نے میری تقریر اور گفتگو کے بارہ میں جو لکھا وہ یہ تھا کہ میں نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی اور میرا مشن تبدیلیٔ مذہب (proselytisation) ہے۔ چنانچہ انھوں نے آرگنائزر کی شائع شدہ رپورٹ کا عنوان ان لفظوں میں قائم کیا:

A Missionary Maulana

مذکورہ مسلمان نے کہا کہ پھر تو آپ عین دینی کام کر رہے ہیں۔ یہ تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کو تمام لوگوں تک پہنچائے۔ اور خود ہندو سامعین یہ گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ان

کے اجتماعات میں یہی دینی کام کر رہے ہیں۔

یہاں کے علاقائی اخبار اردو ٹائمز (۲ اکتوبر) کے آخری صفحہ پر ایک خبر کی سرخی یہ تھی: فرانس میں اسلام پرستی کی نئی لہر، حکومت پریشان۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ "فرانس میں یہ خوف پایا جا رہا ہے کہ اس کی چار لاکھ مسلم آبادی میں کہیں اسلامی بنیاد پرستی نہ پھیل جائے۔ الجیریا میں جو الجیریائی قیادت اور مسلم دہشت گردوں کے درمیان خوں ریز لڑائی چل رہی ہے۔ اس کی وجہ سے الجیریا میں مقیم کئی فرانسیسی مارے جا چکے ہیں۔ یہ اس سمت میں ایک وارننگ ہے۔"

میں نے ایک صاحب سے کہا کہ دنیا میں کوئی بھی اسلام سے خائف نہیں۔ جو بھی خائف ہے وہ اسلام کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی سے خائف ہے۔ یہ نام نہاد انقلابی لوگ کوئی فائدہ تو اسلام کو نہ پہنچا سکے۔ البتہ انھوں نے اسلام کو بدنام کر کے لوگوں کو غیر ضروری طور پر اس سے متوحش کر دیا۔

پونہ میں افریقہ کے اور عرب ملکوں کے طلبہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ آج صبح فجر کی نماز کے بعد تقریباً دس طالب علم جمع ہو گئے۔ یہ سب اریٹیریا کے تھے۔ ان سے دیر تک گفتگو ہوئی۔ وہ سب یہاں کمپوٹر سائنس کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اریٹیریا کی آزادی کے بعد وہاں مسلمانوں نے کیا کیا ترقیاں کی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ حکومت بھی وہاں نصرانی ہے۔ چند مسلم وزیر حکومت میں ہیں۔ لیکن رئیس ایک نصرانی ہے۔ اور سارا ایڈمنسٹریشن نصرانی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسلامی تحریک چلانے کی اجازت نہیں۔

میں نے پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اریٹیریا کے مسیحی اگرچہ عددی اعتبار سے اقلیت میں ہیں۔ مگر ان میں تعلیم، تجارت، اتحاد، ڈسپلن، شعور زمانہ ہر چیز مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ اس لیے آزادی کے بعد بھی وہی لوگ تمام شعبوں پر قابض ہیں، جیسا کہ وہ پہلے تھے۔

حاجی یونس صاحب کی رہائش گاہ پر لوگ مسلسل آتے رہے۔ اور ان سے دینی اور ملی موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ بمبئی کے ٹائمس آف انڈیا (۴ اکتوبر) میں صفحہ اول پر ایک کارٹون تھا۔ ایک عرب والکی ٹاکی لیے ہوئے ایک کرسی پر پریشان حال کھڑا ہوا ہے۔ کرسی پر لکھا ہے ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ہر قسم کے غذائی اشیاء وغیرہ کی درآمد پر پابندی۔ عرب شیخ ٹیلی فون پر کہہ رہا ہے:

May be there's nothing to panic. But we are only taking maximum precautions.

میکسیم پریکاشن لینا بہت اچھا ہے۔ اگر یہی طریقہ مسلمان دوسرے معاملات میں بھی اختیار کرنے لگیں تو بے شمار نقصانات اپنے آپ ختم ہو جائیں۔

پونہ میں قیام کے دوران مجلس کی صورت میں مسلسل لوگوں سے بات ہوتی رہی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر معاملہ کی وضاحت کرتا رہا۔ ایک صاحب نے حضرت علیؓ کی نماز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ ایسی نماز پڑھتے تھے کہ ایک بار ان کے جسم میں تیر لگ گیا۔ انھوں نے کہا کہ جب میں نماز میں کھڑا ہوں تو نکال لینا۔ چنانچہ نماز کے وقت تیر کھینچا گیا اور ان کو محویت کی وجہ سے اس کا احساس ہی نہیں ہوا۔

میں نے کہا کہ محویت کا یہ مطلب نہیں ہے۔ تیر جب نکالا جائے گا تو ہر آدمی کو تکلیف ہوگی، خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور متقی کیوں نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بات توجہ ہٹانے کے معنی میں کہی تھی۔ اس وقت نماز میں مشغولیت کا مطلب توجہ کو ہٹا لینا تھا۔ جیسے ہم لوگ انجکشن لگوانے کے وقت یا خون نکلوانے کے وقت آنکھ بند کر لیتے ہیں یا منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

۶ اکتوبر کی شام کو انڈین ایرلائنز کی فلائٹ ۸۵۰ کے ذریعہ پونہ سے دہلی کے لیے روانگی ہوئی۔ اس کا مقرر وقت آٹھ بجے تھا۔ مگر جہاز کسی قدر تاخیر کے ساتھ روانہ ہوا۔

راستہ میں ہندی اخبار سندھیہ ٹائمس (۶ اکتوبر) دیکھا۔ پہلے صفحہ کی نمایاں خبر کا عنوان تھا: تہاڑ کے قیدی کی موت۔

بنگلور سے نکلنے والے دکن ہیرالڈ (۶ اکتوبر) کے ایڈیٹوریل کے صفحہ کے اوپر البرٹ شیوٹزر (Albert Schwietzer) کا ایک قول نقل کیا گیا تھا:

The tragedy of life is what dies inside a man while he lives.

یعنی موت آنے پر اندر کے انسان کا مر جانا زیادہ بڑا المیہ نہیں۔ زیادہ بڑا المیہ یہ ہے کہ آدمی جسمانی طور پر زندہ ہو مگر اس کے اندر کا انسان مر چکا ہو۔

انڈین ایرلائنز کا فلائٹ میگزین سواگت (اکتوبر ۱۹۹۴) دیکھا۔ اس کے ہندی شعبہ میں ایک مضمون کا باتصویر عنوان یہ تھا: گاندھی، آج کے یاکل کے۔ اس کے رائٹر مسٹر پنکج شرما نے گاندھی جی

کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "انھیں سنتے یا انھیں دیکھتے سمے لوگ ان کے شریر کو ایک پرکار سے بھول جاتے تھے۔ اس لیے وہ جہاں بیٹھتے تھے وہ مندر بن جاتا تھا اور وہ جہاں چلتے تھے وہ بھومی پوتر بن جاتی تھی۔" (صفحہ ۳۵)

اسی قسم کے الفاظ مسلم رائٹر بھی اپنے قومی بڑوں کے لیے لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی اس سوال کا جواب نہیں دیتا کہ جب اتنے زیادہ مقدس لوگ ملک میں پیدا ہوئے اور انھوں نے کروروں کی تعداد میں یہاں اپنے معتقد بھی پیدا کر لیے تو ملک کی یہ تباہی کیوں۔ ان بڑوں کی بڑائی اپنی ساری مقبولیت کے باوجود قوم کی طرف منتقل کیوں نہیں ہوئی۔

۶ اکتوبر ۱۹۹۴ کی رات کو میں دوبارہ دہلی واپس آگیا۔

مطبوعات مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی

مراٹھی آموز	ڈاکٹر عصمت جاوید	۲۵ روپے
ایک ہی پیالہ (ڈرامہ)	رام گنیش گڈکری مراٹھی سے ترجمہ خلیل مظفر	۲۰ روپے
ناگپور میں اردو	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	۵۰ روپے
علم الامراض	ڈاکٹر کرنل محمد غفران	۹۰ روپے
چاند تارے	اسحاق خضر	۱۵ روپے
کمپیوٹر اور اس کی بیسک زبان	عبدالباری مومن	۲۰ روپے
تھور سنگیت کار	بی آر دیودھر مراٹھی سے ترجمہ دستگیر شہاب	۲۵ روپے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۴۰ روپے
امکان مراٹھی عصری ادب کا انتخاب (اردو)		۲۵ روپے
امکان یک بابی ڈرامہ (خصوصی شمارہ)		۱۰ روپے
امکان سراج اورنگ آبادی (خصوصی شمارہ)		۲۰ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مہاراشٹر اردو اکادیمی، فون: ۲۶۷۲۷۰۳
اولڈ کسٹم ہاوس، ڈی ڈی بلڈنگ، شہید بھگت سنگھ مارگ، ممبئی ۴۰۰۰۲۳
(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنس بلڈنگ، جے جے اسپتال، ممبئی ۴۰۰۰۰۸

اُردو

تذکیر القرآن جلد اول	200/-
تذکیر القرآن جلد دوم	200/-
اللہ اکبر	45/-
پیغمبر انقلاب	40/-
مذہب اور جدید چیلنج	55/-
عظمتِ قرآن	35/-
عظمتِ اسلام	50/-
عظمتِ صحابہ	7/-
دین کامل	60/-
الاسلام	45/-
ظہورِ اسلام	50/-
اسلامی زندگی	30/-
احیاءِ اسلام	35/-
رازِ حیات	65/-
صراطِ مستقیم	40/-
خاتونِ اسلام	60/-
سوشلزم اور اسلام	40/-
اسلام اور عصرِ حاضر	30/-
الربانیہ	40/-
کاروانِ ملت	45/-
حقیقتِ حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دورِ جدید کا خالق	25/-
حدیثِ رسولؐ	35/-
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار)	85/-
سفرنامہ (ملکی اسفار)	
میوات کا سفر	35/-
قیادت نامہ	30/-
راہِ عمل	25/-
تعبیر کی غلطی	70/-
دین کی سیاسی تعبیر	20/-
عظمتِ مومن	7/-
اسلام ایک عظیم جدوجہد	4/-
منزل کی طرف	2/-
فکر اسلامی	50/-
طلاق اسلام میں	3/-
دین انسانیت	60/-
شتمِ رسولؐ کا مسئلہ	40/-
مطالعۂ سیرت	–
ڈائری جلد اول	80/-
کتابِ زندگی	55/-
انوارِ حکمت	–
اقوالِ حکمت	25/-
تعمیر کی طرف	8/-
تبلیغی تحریک	20/-
تجدید دین	25/-
عقلیاتِ اسلام	35/-
مذہب اور سائنس	–
قرآن کا مطلوب انسان	8/-
دین کیا ہے	7/-
اسلام دینِ فطرت	7/-
تعمیرِ ملت	7/-
تاریخ کا سبق	7/-
فسادات کا مسئلہ	5/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	5/-
تعارفِ اسلام	5/-
اسلام پندرھویں صدی میں	5/-
راہیں بند نہیں	12/-
ایمانی طاقت	7/-
اتحادِ ملت	7/-
سبق آموز واقعات	7/-
زلزلۂ قیامت	10/-
حقیقت کی تلاش	8/-
پیغمبرِ اسلامؐ	5/-
آخری سفر	7/-
اسلامی دعوت	7/-
خدا اور انسان	–
حل یہاں ہے	10/-
سچا راستہ	8/-
دینی تعلیم	7/-
امہات المومنین	20/-
تصویرِ ملت	85/-
دعوتِ اسلام	50/-
دعوتِ حق	40/-
نشری تقریریں	65/-
اسفارِ ہند	–
اسلام ایک تعارف	–
حیاتِ طیبہ	7/-
باغِ جنت	7/-
نارِ جہنم	7/-
خلیج ڈائری	10/-
رہنمائے حیات	7/-
مضامینِ اسلام	–
تعددِ ازواج	7/-
ہندستانی مسلمان	40/-
روشن مستقبل	7/-
صومِ رمضان	7/-
علمِ کلام	–
اسلام کا تعارف	4/-
علماء اور دورِ جدید	8/-
سیرتِ رسولؐ	–
ہندستان آزادی کے بعد	1/-
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے	8/-
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	8/-
الاسلام یتحدیٰ (عربی)	85/-
یکساں سول کوڈ	5/-
اسلام کیا ہے	8/-

ہندی

سچائی کی تلاش	8/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
پیغمبر اسلامؐ	4/-
سچائی کی کھوج	–
آخری سفر	8/-
اسلام کا پرتچے	8/-
پیغمبر اسلام کے مہمان ساتھی	8/-
راستے بند نہیں	7/-
جنت کا باغ	8/-
بہوپتنی واد اور اسلام	7/-
اہتماس کا سبق	9/-
اسلام ایک سوابھاوک مذہب	8/-
اجول بھوش	8/-
پوتر جیون	8/-

English

A Treasury of the Qur'an	75.00
Words of the Prophet Muhammad	85.00
Muhammad: A Prophet for All Humanity	–
An Islamic Treasury of Virtues	–
The Life of the Prophet Muhammad	75.00
Sayings of Muhammad	95.00
The Beautiful Commands of Allah	125.00
The Beautiful Promises of Allah	175.00
The Soul of the Qur'an	125.00
The Wonderful Universe of Allah	95.00
Presenting the Qur'an	165.00
The Muslim Prayer Companion	–
Indian Muslims	65.00
Islam and Modern Challenges	95.00
Islam: The Voice of Human Nature	30.00
Islam: Creator of the Modern Age	55.00
Woman Between Islam and Western Society	95.00
Woman in Islamic Shari'ah	65.00
Islam As It Is	55.00
Religion and Science	45.00
The Way to Find God	20.00
The Teachings of Islam	25.00
The Good Life	20.00
The Garden of Paradise	25.00
The Fire of Hell	25.00
Man Know Thyself	8.00
Muhammad: The Ideal Character	8.00
Tabligh Movement	40.00
Polygamy and Islam	7.00
Hijab in Islam	20.00
Concerning Divorce	7.00
Uniform Civil Code	10.00

AL-RISALA represents a mission, the aims ar
objectives of which are to proclaim a divir
message. It is a voluntary effort, whic
belongs to everyone who is
accord with the message
proclaims. Such people are invite
to join us in this divine cause. An
assist in conveying the truth to thos
around them.

God has entrusted you with a message to be communicated to the rest of the world. Are you ready to fulfill the trust?

Gift AL-RISALA to your friends and relatives. Subscribe NOW!

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in

SUBSCRIPTION RATES

	INLAND	ABROAD Air-Mail
English	**Rs.**	**US$**
1 Year	70	20
2 Years	120	35
3 Years	175	50
5 Years	300	80
Urdu		
1 Year	90	20
2 Years	170	35
3 Years	250	50
5 Years	400	80

Please send your cheques/bank drafts favouring to "Al-Risala Monthly".

Ask for a free specimen cop

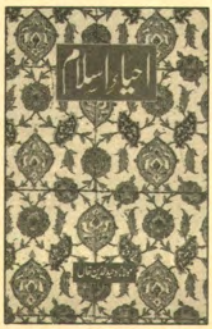

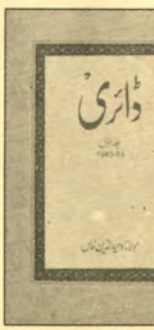

Finest collection of books on Islam

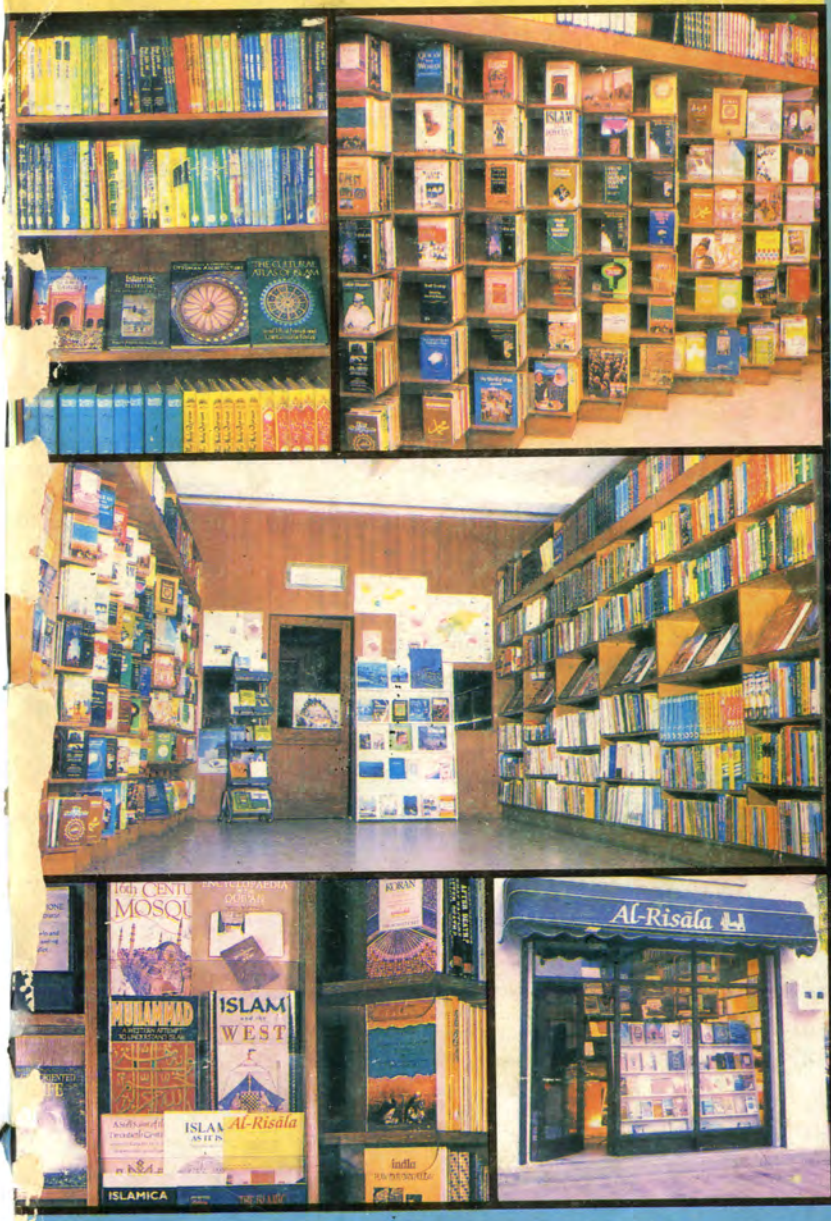

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128 Fax 4697333

RNI 28822/76 • U(SE) 12/97
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/97